٧٨٦

# اسراء اور معراج

## کے واقعات، بشارتیں اور پیغام

(سلفی عقائد پر تبصرہ (حاشیہ آخر کتاب)

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی

دامت برکاتہم

آزادول جنوبی افریقہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناشر

ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

حقوق طبع محفوظ برائے ناشر

نام کتاب : اسراء اور معراج کے واقعات، بشارتیں اور پیغام

مصنف : شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ آزادول

باہتمام : عتیق الرحمٰن اعظمی آزادول جنوبی افریقہ

ناشر : ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

+ 27 832978648 FAX &TAL: + 27 11 413 3634

تاریخ طباعت : شعبان ۱۴۳۹ھ مئی 2018ء

مطبع : زمزم پبلیشرز کراچی

-----------------------------------------------

ملنے کے پتے

ادارہ دعوۃ الحق ٹرسٹ Idarah dawatul haq trust

215 cnr Jackaranda & sunflower st. Azaadville South Africa

(+27) 832978648 TAL @ FAX: + 27 11 413 3634

E . mail : zahir@dawatulhaq.org.za

ادارہ احیاء سنت

9362 Azaadville 1750 South Africa

Tel . Fax : + 27 11 413 2661 Tel : - 413 2414

(دار النشر الاسلامیہ ڈربن)

Daarun Nashril Islaamiyyah 40084 Redhill 4071 S Africa

Tel. + 082 213 7250 (dnipublications@gmail. com

احیاء السنہ (بولٹن برطانیہ)

IUS, 140 BLACKBURN ROAD, BOLTON. BL 1 8DR. GREATER MANCHESTER

T : + 44120 438 8864 Cel +44 783 323 0540

E MAIL : ihyaa_us_sunnah@rocketmail.com

# فہرست

## مضامین کتاب


| شمار | مضامین | صفحات |
|---|---|---|
| ۱ | پیش لفظ | ۱۱ |
| ۲ | اسراء اور معراج کے واقعات، بشارتیں اور پیغام | ۱۴ |
| ۳ | نبی ﷺ کی خصوصیات | ۱۴ |
| ۴ | بخاری، مسلم میں سات (۷) سے زیادہ خصوصیات | ۱۴ |
| ۵ | شرف المصطفی میں نیشاپوری نے ۶۰ خصوصیات بیان کی ہیں | ۱۷ |
| ۶ | امام سیوطی نے خصائص کبری میں کئی سو سے زیادہ خصوصیات ذکر کی ہیں | ۱۸ |
| ۷ | معراج کا واقعہ کب پیش آیا ؟ اقوال کی تفصیل | ۱۸ |
| ۸ | حضرت خدیجہؓ کا انتقال معراج سے قبل ہوا، اس میں تفصیل | ۲۱ |
| ۹ | اور اقوال میں تطبیق | ۱۳ |
| ۱۰ | ۲۷ر رجب میں معراج ہونے کا قول ضعیف ہے، معتبر نہیں | ۲۴ |
| ۱۱ | راجح یہ ہے کہ معراج ربیع الاول میں ہوئی | ۲۶ |
| ۱۲ | شب معراج اور اسکے بعد والے دن میں کوئی خاص عبادت مشروع نہیں | ۲۸ |
| ۱۳ | اقوال: مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، | ۲۹ |
| ۱۴ | مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مفتی تقی عثانی و مفتی رفیع عثانی مدظلہما | ۳۰ |
| ۱۵ | ۲۷ر رجب کا روزہ ثابت نہیں | ۳۴ |





| | | |
|---|---|---|
| ۱۶ | نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں | ۳۵ |
| ۱۷ | مفتی اسماعیل کچھولوی مدظلہ | ۳۵ |
| ۱۸ | ۲۷ر رجب کی خاص نماز ثابت نہیں | ۳۶ |
| ۱۹ | غنیۃ الطالبین شیخ جیلانی کی تصنیف ہے یا نہیں؟ | ۳۷ |
| ۲۰ | شیخ محمد باقر کے نزدیک شیخ جیلانی کی تصنیف نہیں | ۳۷ |
| ۲۱ | علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ذہبی سے نقل کیا کہ اس میں دسائس ہیں | ۳۸ |
| ۲۲ | ۲۷ر رجب کی سب سے اچھی حدیث موقوف ضعیف ہے، قالہ ابن حجر | ۴۰ |
| ۲۳ | ۲۷ر رجب کے روزہ کے بارے میں حضرت تھانویؒ کی رائے امداد الفتاوی میں ہے کہ جائز ہے، سنت و مستحب نہیں | ۴۰ |
| ۲۴ | ۱۵ر شعبان کا روزہ بھی ہمارے خیال میں ایسا ہی ہے | ۴۲ |
| ۲۵ | اسراء و معراج کا سفر بڑی قربانیوں کے بعد پیش آیا | ۴۲ |
| ۲۶ | صحیح بخاری اور احادیث معراج | ۴۴ |
| ۲۷ | مالک بن صعصعہ کی حدیث معراج | ۴۴ |
| ۲۸ | اس کا ترجمہ اور دوسری روایتوں کے ساتھ اس کی تطبیق | ۴۵ |
| ۲۹ | اسراء سے قبل شق صدر | ۴۷ |
| ۳۰ | کل کتنی بار شق صدر ہوا؟ ۴ مرتبہ ہوا | ۴۸ |
| ۳۱ | معراج میں کس سے کہاں ملاقات ہوئی ؟ | ۴۹ |
| ۳۲ | **تنبیہ** : یحیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا خالہ زاد بھائی ہونا مجاز ہے | ۵۰ |
| ۳۳ | سدرۃ المنتہی تک رسائی ، چار نہریں | ۵۱ |
| ۳۴ | بیت المعمور، دو برتنوں کی پیشی | ۵۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵ | پچاس (۵۰) نمازوں کا فرض ہونا، پھر پانچ (۵) ہونا | ۵۲ |
| ۳۶ | مسلم شریف کی روایات | ۵۳ |
| ۳۷ | پچاس سے پانچ تک آئے ۵۔۵ کم کرکے، بخاری میں ۱۰۔۱۰ کی کمی مذکور ہے، مسلم شریف کی تفصیل مقبول ہے | ۵۴ |
| ۳۸ | سدرۃ المنتہی کہاں ہے چھٹیں آسمان پر یا ساتویں؟ بخاری ومسلم کی روایات میں تطبیق | ۵۶ |
| ۳۹ | دو برتن پیش ہوئے یا تین یا چار؟ نشر الطیب میں حضرت تھانویؒ کی تحقیق | ۵۸ |
| ۴۰ | برتنوں کی پیشی بیت المقدس میں ہوئی یا بیت المعمور کے بعد؟ | ۵۹ |
| ۴۱ | روایتوں کا اختلاف، اور حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق | ۶۱ |
| ۴۲ | اسراء میں نمازوں کے فرض ہونے کی حکمت | ۶۲ |
| ۴۳ | نہروں کی تفصیل، اور ابن ابی جمرہ کا نکتہ نہروں کے بارے میں | ۶۳ |
| ۴۴ | ابن دحیہ کلبی کا نکتہ سدرہ المنتہی کے بارے میں | ۶۳ |
| ۴۵ | ابن دحیہ کی دو تاویلیں | ۶۴ |
| ۴۶ | مسلم جلد ثانی کی حدیث کا مطلب | ۶۶ |
| ۴۷ | سیحان، جیحان، نیل وفرات جنت کی نہریں ہیں | ۶۶ |
| ۴۸ | امام نووی کی شرح اور تطبیق | ۶۶ |
| ۴۹ | قاضی عیاض کا ارشاد، اور نووی کی اس پر تنقید | ۶۶ |
| ۵۰ | سدرۃ المنتہی کی کچھ تفصیل | ۶۷ |
| ۵۱ | ابوجعفر رازی کی روایت | ۶۹ |
| ۵۲ | ان پر کلام، ان کی روایت کا حکم | ۷۰و۱۱۶ |





| | | |
|---|---|---|
| ۵۳ | ان کی روایت کا کچھ مضمون | ۷۰ |
| ۵۴ | معارف القرآن کی ایک بات | ۷۲ |
| ۵۵ | **تنبیہ** : نسائی کی ایک روایت | ۷۲ |
| ۵۶ | علامہ کشمیریؒ کی بات | ۷۲ |
| ۵۷ | معراج میں اللہ تعالے کی رؤیت ہوئی یا نہیں ہوئی، آنکھ سے ہوئی یا | |
| ۵۸ | صرف دل سے یا دونوں سے؟ | ۷۴ |
| ۵۹ | حضرت عائشہؓ کے ارشادات بخاری، مسلم، ترمذی سے | ۷۴ |
| ۶۰ | عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشادات | ۷۶ |
| ۶۱ | ابو ذر غِفاریؓ کے ارشادات | ۷۸ |
| ۶۲ | عبداللہ بن عباسؓ کی روایتیں | ۷۸ |
| ۶۳ | تطبیق کی صورت اور قرطبی کا ارشاد | ۷۹ |
| ۶۴ | ابن خزیمہ کا قول اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے | ۸۰ |
| ۶۵ | حافظ ابن حجرؒ کی طرف سے بحث کا خلاصہ | ۸۱ |
| ۶۶ | علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق، اور ان کا مقالہ فتح الملہم سے | ۸۲ |
| ۶۷ | علامہ کا علمی مقام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قلم سے | ۸۲ |
| ۶۸ | مُوحی اللہ تعالے ہیں | ۸۲ |
| ۶۹ | معلّم جبریل ہیں | ۸۳ |
| ۷۰ | معلم کے اوصاف بیان کئے اسلئے کہ مکہ والے انکو جانتے نہیں تھے | ۸۳ |
| ۷۱ | سورۂ نجم کے علاوہ سورۂ تکویر میں بھی انکے اوصاف بیان کئے | ۸۳ |
| ۷۲ | تکویر میں رسول کے حالات بھی بیان کئے | ۸۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۳ | فاستوی سے کچھ تفصیل بیان کی | ۸۴ |
| ۷۴ | سُہیلی سے ابن سنجر کی روایت | ۸۴ |
| ۷۵ | **ایک تنبیه**: اوحی کی ضمیر اللہ تعالےٰ کی طرف جاتی ہے | ۸۵ |
| ۷۶ | **ما كذب الفؤاد ما رأى** کا مفہوم | ۸۵ |
| ۷۷ | **أفتُمارونه على مايرى** کا مفہوم | ۸۷ |
| ۷۸ | **ولقد رآه نزلةً أخرى** کا مفہوم | ۸۷ |
| ۷۹ | **ما زاغ البصر وما طغى** کا معنی | ۸۸ |
| ۸۰ | ابوذرؓ کی حدیث: **رأيتُ نورا** کا معنی | ۸۸ |
| ۸۱ | امام احمدؒ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے قول کی تردید | ۸۹ |
| ۸۲ | **تکمیل**: سدرۃ المنتہی کے بعد کیا دیکھا؟ | ۹۰ |
| ۸۳ | حافظ ابن حجر کی تقریر احادیث کی روشنی میں | ۹۰ |
| ۸۴ | جنت اور جہنم کا دیکھنا، آخرت کے وعدوں کا دیکھنا | ۹۱ |
| ۸۵ | معراج کی حدیثوں کے فوائد حافظ ابن حجر کے قلم سے | ۹۳ |
| ۸۶ | براق کے بارے میں کچھ تفصیل | ۹۵ |
| ۸۷ | حافظ ابن حجر کا بیان | ۹۵ |
| ۸۸ | بُراق دیگر انبیاء نے استعمال کیا تھا | ۹۷ |
| ۸۹ | ابن ابی جمرہ اور ابن دحیہ کا انکار صحیح نہیں | ۹۷ |
| ۹۰ | براق سے آسمان پر گئے اور آئے یا سیڑھی سے؟ | ۹۹ |
| ۹۱ | سیڑھی سے، حافظ نے کہا | ۹۹ |
| ۹۲ | نبیوں کو نماز پڑھانا مسجد اقصی میں آسمانوں پر جانے سے پہلے ہوا یا بعد | |





| | | |
|---|---|---|
| | میں؟ دونوں طرح کی روایتیں ہیں، حافظ ابن حجر کے یہاں زیادہ ظاہر | |
| | پہلے ہے، ابن کثیر کے یہاں بعد میں ہے | ۱۰۲ |
| ۹۳ | نبیوں سے ملاقات انکے جسم کے ساتھ ہوئی یا صورت مثالیہ کیساتھ | ۱۰۳ |
| ۹۴ | عیسی علیہ السلام نبی بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں | ۱۰۴ |
| ۹۵ | کیا معراج میں آپ ﷺ نے التحیات پڑھی؟ | ۱۰۴ |
| ۹۶ | بہت سی کتابوں میں لکھا ہے لیکن سند سے ثابت نہیں: علامہ کشمیریؒ | ۱۰۵ |
| ۹۷ | نماز میں تشہد اپنی طرف سے انشاءً پڑھنا ہے، قصہ کے طور پر نہیں (کما | |
| | فی الدر المختار) | ۱۰۵ |
| ۹۸ | تشہد میں السلام علیک میں خطاب کی توجیہ: علامہ طیبی کا نکتہ | ۱۰۶ |
| ۹۹ | **ایک تنبیه**: بخاری کی روایت پر جمہور کا عمل نہیں (فیض الباری) | ۱۰۶ |
| ۱۰۰ | اسراء اور معراج کے کچھ اور واقعات | ۱۰۸ |
| ۱۰۱ | واقدی محمد بن عمر ۲۰۷ھ کی روایت کا حکم | ۱۰۹ |
| ۱۰۲ | اختلاف اور معتدل رائے | ۱۰۹ |
| ۱۰۳ | ذہبی اور حافظ ابن حجر کی رائیں | ۱۱۰ |
| ۱۰۴ | ابن الھمام اور صاحب اعلاء السنن کی تحقیق | ۱۱۰ |
| ۱۰۵ | علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی رائے | ۱۱۱ |
| ۱۰۶ | اسراء کے کچھ اور واقعات | ۱۱۲ |
| ۱۰۷ | حضرت انسؓ کی حدیث | ۱۱۲ |
| ۱۰۸ | حضرت شداد بن اوسؓ کی حدیث | ۱۱۳ |
| ۱۰۹ | طیبہ میں نماز پڑھنا | ۱۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۱۰ | مدین میں، بیت اللحم میں نماز پڑھنا، اور جہنم کی وادی پر گزرنا | ۱۱۴ |
| ۱۱۱ | قریش کا قافلہ، ابو بکرؓ کا سوال | ۱۱۴ |
| ۱۱۲ | روایت پر ابن کثیر کا نقد | ۱۱۵ |
| ۱۱۳ | ابو ہریرۃؓ کی ایک لمبی حدیث جس میں غرابت ہے | ۱۱۶ |
| ۱۱۴ | ابو جعفر رازی پر نقد | ۷۰و۱۱۶ |
| ۱۱۵ | روایت کے بعض مضامین | ۱۱۷ |
| ۱۱۶ | کھیتی کرنے والی قوم (مجاہدین)، نماز سے غافل قوم پر گزر | ۱۱۷ |
| ۱۱۷ | زکوۃ نہ دینے والی قوم پر گزر، اور زنا کار مردوں اور عورتوں پر گزر | ۱۱۷ |
| ۱۱۸ | راستوں پر بیٹھ کر گزرنے والوں کو نقصان پہونچانے والوں پر گزر | ۱۱۸ |
| ۱۱۹ | امانت نہ ادا کرنے والوں پر گزر | ۱۱۸ |
| ۱۲۰ | ان واعظین اور خطباء پر گزر جو عمل نہیں کرتے | ۱۱۸ |
| ۱۲۱ | گناہ کی بات بولنے والوں پر گزر | ۱۱۸ |
| ۱۲۲ | جنت اور جہنم کی وادی سے گزر | ۱۱۹ |
| ۱۲۳ | بیت المقدس میں نزول | ۱۲۰ |
| ۱۲۴ | نبیوں کی تحمید | ۱۲۰ |
| ۱۲۵ | ابراہیم وموسیٰ علیہا السلام کی تحمید | ۱۲۰ |
| ۱۲۶ | داود وسلمان علیہا السلام کی تحمید | ۱۲۱ |
| ۱۲۷ | عیسیٰ علیہ السلام کی تحمید | ۱۲۲ |
| ۱۲۸ | حضرت محمد ﷺ کی تحمید | ۱۲۳ |
| ۱۲۹ | تین برتنوں کی پیشی: پانی، دودھ، شراب، صرف پانی اور دودھ پیا | ۱۲۴ |





| | | |
|---|---|---|
| ۱۳۰ | سدرۃ المنتہیٰ پر آپ ﷺ کی دعا | ۱۲۴ |
| ۱۳۱ | اللہ تعالے کی طرف سے آپ کو جواب | ۱۲۴ |
| ۱۳۲ | نبی ﷺ کی خصوصیات اور فضیلت کی باتیں | ۱۲۵ |
| ۱۳۳ | حدیث اسراء کے فوائد | ۱۲۷ |
| ۱۳۴ | ابن دحیہ اندلسیؒ کا تعارف | ۱۲۷ |
| ۱۳۵ | احادیث سے اللہ کیلئے تشبیہ کا شبہہ اور اس کا جواب | ۱۲۸ |
| ۱۳۶ | اللہ کیلئے جہت کا ثبوت اور اس کا جواب | ۱۳۲ |
| ۱۳۷ | معراج میں خاص خاص انبیاء سے ملاقات میں حکمتیں | ۱۳۳ |
| ۱۳۸ | بیت المقدس کے سفر میں حکمتیں | ۱۳۷ |
| ۱۳۹ | رات میں سفر میں حکمتیں | ۱۳۸ |
| ۱۴۰ | جنت وجہنم کو دیکھنا | ۱۴۲ |
| ۱۴۱ | اللہ تعالی کی حمد کو مبہم کیوں رکھا؟ | ۱۴۳ |
| ۱۴۲ | حدیث شفاعت | ۱۴۴ |
| ۱۴۳ | صفات باری تعالی ومتشابہات کے بارے میں اہل سنت والجماعت | |
| ۱۴۴ | کا عقیدہ | ۱۴۶ |
| ۱۴۵ | علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور سلفیوں کا عقیدہ | ۱۵۱ |
| ۱۴۶ | آخذ ومراجع | ۱۶۶ |
| ۱۴۷ | مصنف مدظلہ ایک نظر میں (از عتیق الرحمٰن) | ۱۶۸ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ

**الحمد للّٰہ ربِّ العالمین و الصّلوۃ و السّلام علی سیدِالانبیاء و المُرسلین و علـی آلِہ و أصحابِہ أجمعین أما بعد !**

یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں نبی ﷺ کے اسراء و معراج کے واقعات اور پیغام کو قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں جمع کیا گیا ہے .

ہر بات کا پورا حوالہ دیا گیا ہے، بخاری اور مسلم کی روایات تو سب معتبر ہیں، صحیح ہیں، کہیں اختلاف ہے تو تطبیق کی کوشش کی گئی ہے، ان سے باہر کی روایتوں میں محدثین کا کلام پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کچھ معتبر ہیں، کچھ میں کلام ہے .

نبی پاک ﷺ کی بہت سی خصوصیات اور فضائل ہیں، یہ خصوصیت ایسی ہے جس سے آپ ﷺ کی جملہ انبیاء اور رسل علیہم الصلوۃ والتسلیم پر نمایاں فضیلت ظاہر ہوتی ہے، تمام انبیاء کو آپ ﷺ نے نماز بھی بیت المقدس میں پڑھائی اور سب سے اوپر ساتوں آسمانوں کے اوپر سدرۃ المنتہی پر بلکہ اس کے بھی اوپر بیت المعمور تک پھر اسکے بھی اوپر جنت اور جہنم تک تشریف لے گئے، مقام خاص میں حاضری ہوئی،



جہاں کوئی نہیں تھا، اور نماز کا تحفہ ملا، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں ملیں، اور ہر امتی کے کبائر کی مغفرت ملی جو شرک نہ کرتا ہو. (مسلم ۱/۹۷)

اور یہ بھی کہ کوئی نیکی کا ارادہ کرے اور نہ کرے تو بھی ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور کرے تو دس (۱۰) نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور گناہ کا ارادہ کرے اور نہ کرے تو کچھ لکھا نہیں جاتا اور اگر کرے تو صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے. (مسلم ۱/۹۱)

یہ مبارک سفر ہجرت سے کچھ پہلے بہت سے مجاہدات سے گزرنے کے بعد کرایا گیا، ۱۰ھ نبوی میں شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد، جس میں تین سال تک بڑی مشقتوں کی زندگی گزاری گئی پھر ابو طالب بھی چلے گئے جو بہت بڑے ظاہری سہارا تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی داغ مفارقت دے گئیں جو دعوت و عبادت کے کام میں آپ کی زبردست معاون تھیں، پھر آپ ﷺ نے طائف کا سفر پیدل کیا اور وہاں آپ ﷺ کے ساتھ بہت نامناسب برتاؤ کیا گیا، بظاہر ناکام مظلومیت کی حالت میں واپس ہوئے .

ان سب مجاہدات کے بعد اللہ تعالی نے آپ کو ایسی بلندی، عزت اور رفعت عطا فرمائی کہ سب نبیوں پر فوقیت دی، سب کا امام بنایا، مقام خاص میں بلا کر نماز کا تحفہ عطا فرمایا جس عمل کے ذریعہ آپ کا ہر امتی اللہ تعالے کی بارگاہ میں مقام قرب حاصل کرسکتا ہے، صحیح کہا گیا ہے: الصّلوۃُ معراجُ المؤمن، اگرچہ حدیث نہیں ہے، مشائخ کا قول ہے، اور امت کی مغفرت اور فضیلت ظاہر کی گئی، موسی علیہ السلام رونے لگے کہ یہ نوجوان میرے بعد آیا، اس کی امت میری امت سے پہلے اور زیادہ مقدار

میں جنت میں جائیگی ، امت پر بڑا احسان بھی کیا کہ آنحضورﷺ کو بار بار بارگاہ الٰہی میں بھیج کر نمازوں کو پچاس (۵۰) سے پانچ کرایا.

معراج کے بعد جلد ہی بیعت عقبہ ہوئی، ۱۲ نبوی میں پہلی اور ۱۳ نبوی میں دوسری پھر ہجرت ہوئی یا معراج ان دونوں بیعتوں کے درمیان میں ہوئی . (دیکھئے الرحیق المختوم للمبارکپوری ص ۱۳۷)

انصار ومہاجرین کی ملی جلی محنت سے مدینہ منورہ سے اسلام پھیلنا شروع ہوا، بدر کے معرکہ سے مسلمانوں کی ہمت بڑھی اور کفار مایوس ہوگئے، احد سے کافروں کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا لیکن احزاب کے بعد گرتے چلے گئے حتی کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا، اور اسلام کا جھنڈا دنیا میں لہراتا چلا گیا.

اسراء اور معراج کے واقعات پڑھ کر اللہ کی قدرت وکمال کا سکہ دل پر بیٹھنا چاہئے اور دوسری طرف سرکار دو جہاںﷺ کے عالی مرتبہ سے بھی دل متاثر ہونا چاہئے، اور دل میں آپ کی محبت وعظمت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے، جس کا ظہور اتباع سنت کی شکل میں ظاہر ہونا چاہئے اور آپﷺ کے مبارک طریقۂ زندگی کو عالم میں عام کرنے کی کوشش کو تیز کرنا چاہئے، و اللّٰہ یُوفّق لِکُلّ خیر .

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ۲۲/رجب ۱۴۳۸ھ ۲۰/اپریل ۲۰۱۷ء



بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

# اسراء اور معراج کے واقعات، بشارتیں اور پیغام

**الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلٰوۃ و السّلامُ علی رسولِہ رحمةً للعالَمین ، و سیدِ الانبیاءِ و المُرسلین هُدًی للعالمین الّذی أسریٰ به ربُّه جَلّ و عَلا لیلاً مِن المسجدِ الحَرامِ الی المسجدِ الأقصی ، ثمّ مِنه الیٰ السّمٰوات العُلا و منها الی السدرة المُنتهیٰ عندها جنةُ المأویٰ ، لقد رأَی مِن آیاتِ ربّه الکُبریٰ ، و علی آله و أصحابِه نُجومِ الهُدی .**

**أما بعد !**

ہمارے نبی احمد مجتبی محمد مصطفیٰ سید الانبیاء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خصوصیات ہیں .

بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں :

(۱) ۔ ایک مہینہ کی مسافت سے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی

---

۲/شعبان ۱۴۳۴ھ منگل ۱۱/جون ۲۰۱۳ء

(۲)۔ میرے لئے زمین مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) اور مُطَہِّر بنائی گئی (کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں) لہذا میری امتی کو جہاں بھی نماز کا وقت پالے وہیں نماز پڑھ لے (خواہ تیمّم کر کے ہو)

(۳)۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کیلئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا.

(۴)۔ مجھے شفاعت (شفاعت کبری) دی گئی

(۵)۔ (مجھ سے پہلے) نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا. (بخاری شریف ۱/ ۴۸ و ۶۲)

مسلم شریف میں ہے کہ ہر سرخ اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں. (۱/۱۹۹)

اس سے مراد عرب و عجم ہیں یا جنات و انسان. (فتح الباری ۱/۴۳۹)

مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مذکور ہے، اس میں یہ ہے کہ مجھے چھ باتوں سے دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے:

(۱)۔ مجھے جوامع الکلم کی صفت دی گئی ہے

(۲)۔ رعب سے میری مدد کی گئی ہے

(۳)۔ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے

(۴)۔ میرے لئے زمین کو طَہور اور مسجد بنایا گیا ہے

(۵)۔ مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے

(۶)۔ میرے ذریعہ نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے. (مسلم ۱/۱۹۹)



بخاری کی حدیث کے ساتھ اسکو شامل کیا جائے تو کل خصوصیات سات (۷) ہو گئیں، شفاعت یہاں مذکور نہیں ہے لیکن جوامع الکلم اور خاتم النبیین کی زیادتی ہے.

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے، جس میں آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ کو لوگوں پر تین باتوں سے فضیلت دی گئی ہے:

(۱)۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح قرار دی گئی ہیں

(۲)۔ ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی ہے، اور اس کی مٹی پانی نہ ہونے کے وقت پاک کرنے والی بنائی گئی ہے

(۳)۔ ایک اور خصلت بھی ذکر کی (مسلم ۱/۱۹۹)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ابن خزیمہ اور نسائی نے اس مبہم صفت کو بیان کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ مجھ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیات' عرش کے نیچے کے خزانہ سے دی گئی ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ امت سے بوجھ کو اتار دیا گیا ہے اور ان کو ایسے کام کا مکلّف نہیں کیا جائے گا جس کی طاقت نہ ہو اور خطا اور نسیان کو بھی معاف رکھا گیا ہے، اس طرح خصوصیات نو (۹) ہو گئیں.

مسند بزار میں ابو ہریرہؓ سے دوسرے طریق سے یہ آیا ہے کہ مجھ کو دوسرے انبیاء پر چھ (۶) طریقہ سے فضیلت دی گئی ہے:

(۱)۔ میرے اگلے پچھلے ذنوب اور عیوب معاف کر دئے گئے ہیں

(۲)۔ میری امت خیر الامم بنائی گئی ہے

(۳)۔ مجھ کو حوض کوثر دیا گیا ہے

(۴)۔ تمہارا یہ ساتھی حمد کے جھنڈے والا ہے، قیامت کے دن اس کے نیچے

آدم علیہ السلام اور بعد کے لوگ ہوں گے

(۵)۔(۶)۔ میں اوپر کی دو خصلتیں ذکر کی گئی ہیں. (مجموعہ تیرہ (۱۳) ہوگیا)

بزار ہی میں ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ مجھ کو انبیاء پر دو خصلتوں سے فضیلت دی گئی ہے :

(۱)۔ میرا شیطان کافر تھا، اللہ تعالی نے میری مدد کی تو وہ مسلمان ہوگیا

(۲)۔ دوسری بھول گیا (مجموعہ پندرہ (۱۵) ہوگیا).

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ مجھے چار چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو کسی نبی کو نہیں دی گئیں :

(۱)۔ مجھے زمین کی چابیاں دی گئیں

(۲)۔ میرا نام احمد رکھا گیا

(۳)۔ میری امت خیر الامم بنائی گئی

(۴)۔ مٹی کی خصوصیت بھی بیان فرمائی (مجموعہ سترہ (۱۷) ہوگیا)

جو غور کرے اور تلاش کرے تو اور پا سکتا ہے، ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، سب کو جمع کر لیجئے.

ابوسعید (عبدالملک بن محمد متوفی ۴۰۶ھ) نیشاپوریؒ نے (**کتاب شرف المصطفی** ﷺ) میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیات ساٹھ (۶۰) تک بیان کی ہیں .

(فتح الباری ۱/۴۳۹)

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے .

(فتح الباری کا حاشیہ)



علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر بخاری میں ہے کہ امام سیوطیؒ نے اس پر مستقل تصنیف لکھی ہے، اس کا نام (الخصائص الکبری) ہے اس میں آپ ﷺ کی خصوصیات کئی سو سے زیادہ ہیں. (فیض الباری ۱/۳۹۹)

امام سیوطیؒ کی اس تصنیف کا پورا نام ہے (**کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب** ﷺ) المعروف بہ (**الخصائص الکبری**)

بلاشبہ اس کتاب میں آپ ﷺ کی بہت ساری خصوصیات اور آیات ومعجزات کا ذکر ہے، بہت پہلے دو جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی.

انہی خصوصیات میں اسراء ومعراج بھی ہے، اسراء اور معراج کی حدیثیں ۱/۱۵۲ سے ۱/۱۸۱ تک ذکر کی ہیں، کل (۳۱) حدیثیں ہیں.

امام سیوطیؒ سے قبل ابن کثیر محدث ومفسر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی سورۂ اسراء کی تفسیر میں بہت سی احادیث جمع کی ہیں اور ان پر کہیں کہیں تبصرہ بھی کیا ہے.

## معراج کا واقعہ کب پیش آیا ؟

اس میں بہت سے اقوال ہیں کہ یہ اسراء اور معراج کا واقعہ کس سال اور کس مہینہ میں، کس تاریخ کو پیش آیا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں گیارہ (۱۱) اقوال ذکر کئے ہیں :

حافظ فتح الباری میں باب المعراج (بخاری ۱/۵۴۸) کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" معراج کے وقت میں اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ بعثت سے پہلے ہوئی، یہ

قول شاذ ہے الا یہ کہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ خواب میں ہوئی، جیسا کہ گزر چکا، اکثر کا کہنا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد ہوئی، پھر ان میں بھی اختلاف ہوا :

(۱)۔ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی ۔

**قبل الهجرة بسنة ، قاله ابن سعد و غيره ، و به جزم النووی و بالغ ابن حزم فنقل الاجماع فيه وهومردود فان فی ذالک اختلافا کثيرا يزيد على عشرة أقوال .**

ابن سعد وغیرہ کا یہ قول ہے، نووی نے اس کو یقین کے ساتھ ذکر کیا، ابن حزم نے مبالغہ کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اس پر اجماع ہے، یہ صحیح نہیں، اس میں بہت اختلاف ہے، دس (۱۰) سے زیادہ اقوال ہیں ۔

(۲)۔ ہجرت سے آٹھ (۸) مہینے پہلے ، **قبلها بثمانية أشهر ، حكاه ابن الجوزی** ، اس کو ابن الجوزی نے نقل کیا اور اسی طرح کی بات ابن حزم نے نقل کی، کہا کہ رجب بارہ نبوی میں (۱۲ نبوی) میں ہوئی ۔

(۳)۔ ہجرت سے چھ (۶) ماہ قبل ، **بستة أشهر** ، ابوالربیع بن سالم نے اسکو ذکر کیا۔

(۴)۔ ہجرت سے گیارہ (۱۱) مہینے قبل ، **بأحد عشر شهرا** ، ابراہیم حربی نے اسکو یقین کے ساتھ ذکر کیا، فرمایا: ربیع الآخر میں ہجرت سے ایک سال قبل [۱]

---

[۱] زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح میں لکھتے ہیں: کہ ابن دِحیہ نے تنویر اور معراج صغیر میں، ابوشامہ نے باعث میں اور حافظ نے فضائل رجب میں حربی سے نقل کیا ہے کہ ربیع الاول میں ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب ۳۰۸) ، و(الابتهاج فی أحاديث المعراج لابن دحیہ م ۶۶۳ھ بتحقیق رِفعت فوزی ص ۶)، ابراہیم بن اسحاق حربی کا انتقال ۲۸۵ھ میں ہوا۔ (ایضا ص ۷)



ابن المنیرؒ نے ابن عبد البر کی سیرت کی شرح میں اس کو ترجیح دی۔

(۵)۔ ہجرت سے چودہ (۱۴) مہینے پہلے، **قبل الهجرة بسنة و شهرين** ، اس کو ابن عبد البر نے نقل کیا ۔

(۶)۔ ہجرت سے پندرہ (۱۵) مہینے پہلے ، **قبلها بسنة و ثلاثة أشهر** ، اس کو ابن فارس نے نقل کیا۔

(۷)۔ ہجرت سے سترہ (۱۷) مہینے پہلے، **بسنة و خمسة أشهر** ، سُدی نے یہ بات فرمائی، ان کے طریق سے طبری اور بیہقی نے تخریج کی، اس قول پر شوال یا رمضان میں ہوگی جب کہ شوال یا رمضان اور ربیع الاول دونوں طرف سے کسر کو حذف کر دیا جائے، واقدی نے اس قول کو یقین کے ساتھ ذکر کیا، اور اس کے ظاہر پر وہ بات منطبق ہو جائے گی جس کو ابن قتیبہ نے ذکر کیا اور ابن عبد البر نے اسکو نقل کیا کہ معراج ہجرت سے اٹھارہ (۱۸) مہینے پہلے **قبلها بثمانية عشر شهراً** ہوئی ۔

(۸)۔ ہجرت سے اٹھارہ (۱۸) مہینے قبل رمضان میں ہوئی، اس کو ابن سعد نے ابن ابی سبرہ سے نقل کیا ۔

(۹)۔ ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی، اس کو ابن الاثیر نے نقل کیا (اس صورت میں ربیع الاول میں ہوگی ۱۲ فضل)

(۱۰)۔ ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی (اس قول پر بھی ربیع الاول میں ہوگی ۱۲ فضل) اسکو قاضی عیاض نے امام زہریؒ سے نقل کیا، اور قرطبی اور امام نووی نے ان کا اتباع کیا، اور ان لوگوں نے اس کو ترجیح دیا، قاضی عیاض نے دلیل یہ دی کہ اس میں اختلاف نہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے نماز فرض ہونے کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ نماز

پڑھی اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ ان کا انتقال ہجرت سے تین سال قبل یا اس کے قریب یا ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی ۔ اھ

میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں کہ ان تمام میں جن میں اختلاف کی نفی کی اختلاف ہے :

(۱)۔ (محدث) عسکری نے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے سات سال قبل ہوا، اور کہا گیا ہے کہ چار سال قبل، ابن الاعرابی سے روایت ہے کہ ہجرت کے سال انتقال ہوا ۔

(۲)۔ نماز کی فرضیت میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ بعثت کے شروع میں نماز فرض ہوئی، دو رکعت صبح میں اور دو رکعت شام کو، اسراء میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں ۔

(۳)۔ حضرت خدیجہؓ کے تذکرہ میں بدء الخلق کی حضرت عائشہؓ کی حدیث پر بحث کے دوران یہ بات گذرگئی کہ حضرت عائشہؓ نے یقین کے ساتھ یہ بات فرمائی کہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال نماز فرض ہونے سے پہلے ہوگیا تھا، لہذا اعتماد کے قابل بات یہ ہے کہ جنھوں نے یہ کہا کہ ان کا انتقال فرضیتِ صلوۃ کے بعد ہوا، اس سے مراد پانچ نمازوں سے پہلے جو نمازیں فرض تھیں وہ ہوں گی اگر انکا ثبوت ہوجائے، اور حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا کہ فرضیت صلوۃ سے قبل انکا انتقال ہوگیا اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں، اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اسراء سے قبل حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا تھا ۔

(۴)۔ حضرت خدیجہؓ کے وفات کے سال میں بھی اختلاف ہے، عسکری نے



زہری سے نقل کیا کہ ان کا انتقال بعثت کے ساتویں سال میں ہوا، جس کا ظاہر یہ ہے کہ ہجرت سے چھ (۶) سال پہلے، عسکری کا قول اس تقدیر پر ہے کہ بعثت اور ہجرت کے درمیان مدت دس سال کی تھی ۔ (فتح الباری ۷/۲۰۳ باب المعراج)

بخاری شریف میں عروۃ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال حضرت ﷺ کے مدینہ ہجرت کرنے سے تین سال قبل ہوا، پھر دو سال یا اسکے قریب آپ ٹھہرے رہے اور حضرت عائشہؓ سے شادی کی جب کہ وہ چھ سال کی تھیں، پھر ان کو رخصت کیا جب کہ ان کی عمر نو (۹) سال کی تھی ۔ (بخاری ۱/۵۵۱ باب تزویج النبی ﷺ عائشةؓ و قدومه المدینة و بناؤه بها)

حافظ ابن حجر نے اسماعیلی کی روایت ذکر کی کہ حضرت خدیجہ کا انتقال آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے نکلنے سے تین سال پہلے ہوا یا اس کے قریب، اور ان کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ سے شادی ہوئی جبکہ وہ چھ سال کی تھیں، اور رخصتی مدینہ آنے کے بعد ہوئی جب کہ وہ نو سال کی تھیں ۔ (فتح الباری ۷/۲۲۵)

شوال میں ہجرت کے پہلے سال میں رخصتی ہوئی، یعنی ہجرت کے سات (۷) مہینے کے بعد جب کہ ربیع الاول سے شمار کریں، دمیاطی نے اپنی سیرت میں فرمایا کہ حضرت خدیجہ کا انتقال رمضان میں ہوا اور حضرت سودہ سے شوال میں نکاح ہوا پھر حضرت عائشہ سے، اور سودہ سے دخول عائشہ سے قبل ہوا ۔ (فتح الباری ایضا معناً)

حافظ نے فتح الباری کے شروع میں بھی لکھا ہے کہ عروہ نے فرمایا کہ حضرت خدیجہ کا انتقال نماز کے فرض ہونے سے پہلے ہوگیا، آنحضور ﷺ نے فرمایا: میں نے خدیجہ کیلئے خالی موتی کا گھر دیکھا جس میں شور وشغب اور تھکان نہیں ۔ (فتح الباری ۱/۲۸)

بخاری شریف میں مناقب میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ یہ خدیجہ آرہی ہیں، ان کے ساتھ ایک برتن ہے اس میں سالن یا کھانہ یا پانی ہے، جب آجائیں تو ان کو ان کے رب کا اور میرا اسلام کہئے اور جنت میں ایک خالی موتی کے محل کی خوش خبری سنایئے جس میں شور وشغب اور تھکان نہیں ۔ (بخاری ۱/ ۵۳۹)

(بخاری جلد ثانی میں بھی یہ حدیث ہے ۱۱۱۶/۲ مسلم میں بھی ہے ۲۸۴/۲)

فیض الباری میں ہے کہ شیخ آلوسی نے الجواھر الغالیہ میں سفیری کے حاشیۂ بخاری سے نقل کیا ہے کہ انکو یہ بشارت اسی کی وجہ سے ملی ۔ (فیض الباری ۷۲/۴)

یعنی اسی خدمت کی وجہ سے جو انھوں نے آنحضور ﷺ کی کی، باوجودیکہ پانچ فرض نمازیں نہیں پڑھیں، فرض روزہ نہیں رکھا، فرض زکوۃ نہیں ادا کی، فرض حج نہیں کیا، مکی زندگی میں جو مخالفت شدیدہ کا زمانہ تھا، شعب ابی طالب میں بھی حضرت ﷺ کا ساتھ دیا اور خدمت کی، اسی وجہ سے ان کو یہ مقام ملا ۔ واللہ اعلم

## علامہ بدر الدین عینی کا کلام

ہمارے خیال میں علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں دو جگہوں پر اس سے بحث کی، چوتھی جلد میں لکھتے ہیں :

(۱)۔ ہجرت سے ایک سال پہلے ربیع الاول میں ہوئی، یہ زہریؒ سے مروی ہے، بیہقی نے اس کو موسی بن عقبہ سے نقل کیا اور انھوں نے زہری سے ۔



(۲)۔ اور کہا گیا ہے کہ ستائیس (۲۷) رجب میں، اسکو حافظ عبد الغنی مقدسی (متوفی ۶۰۰ھ) نے پسند کیا ۔ (عمدۃ القاری ۳۹/۴)

اس میں یہ نہیں ذکر ہوا کہ کس سال میں ہوئی، اور کس نے یہ بات ارشاد فرمائی، قیل سے اس کو ذکر کیا، حافظ ابن حجرؒ نے اس قول کو ذکر نہیں کیا، ان کے یہاں صرف رجب ۱۲ھ کا ذکر آیا، ابن حزم اور ابن الجوزی سے اسکو نقل کیا، کوئی تاریخ معلوم نہیں ۔

پھر ۱۷ ویں جلد میں علامہ عینی نے لکھا :

(۳)۔ کہا گیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال قبل ربیع الاول میں ہوئی، یہی اکثر لوگوں کا قول ہے، حتی کہ ابن حزم نے مبالغۃً یہ کہدیا کہ اس پر اجماع ہے ۔

(۴)۔ سُدی نے فرمایا کہ ہجرت سے ایک سال پانچ مہینے (۱۷ مہینے) قبل ہوئی، طبری اور بیہقی نے انہی کے طریق سے اس کو ذکر کیا، اس قول پر شوال میں ہوگی ۔

(عمدۃ القاری ۲۰/۱۷)

یہ دونوں قول فتح الباری سے نقل ہو چکے، امام زہریؒ کے دو قول سامنے آئے، ایک ' ایک سال ہجرت سے قبل، دوسرا پانچ سال قبل، دونوں کا تقاضہ یہ ہے کہ ربیع الاول میں ہوئی، ایک سال پہلے ہونے کا قول قرائن سے راجح معلوم ہوتا ہے ۔

۲۷ رجب کے قول کو اختیار کرنے اور راجح کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ۔

امام زہری جلیل القدر تابعی ہیں، انہی کا قول قابل ترجیح ہوگا ۔

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت خدیجہ کا انتقال اسراء سے قبل ہوا، ہجرت سے تقریباً تین سال قبل، حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کے ساتھ

تھیں اور شعب ابی طالب سے نکلنا ۱۰ نبوی میں ہوا، اور دمیاطی کا قول بھی ذکر ہوا کہ حضرت خدیجہ کا انتقال رمضان میں ہوا، اسلئے اسراء کا واقعہ اس کے بعد ہوگا، تو رجب ۱۰ نبوی میں اسراء کا واقعہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ علامہ منصور پوری نے اس کو اختیار کیا ۔ (الرحیق المختوم ص ۱۳۷ للمبارکپوری)

اور ہجرت سے پانچ سال قبل کا قول بھی صحیح نہیں تو زہری کا جو قول ایک سال قبل کا ہے وہی راجح ہوگا، اور اس لحاظ سے مہینہ ربیع الاول ہوگا نہ کہ رجب ۔

فتح الباری میں اگرچہ ایک قول رجب ۱۲ نبوی کا ہے لیکن کسی تابعی سے وہ منقول نہیں، اسلئے ربیع الاول ۱۲ نبوی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے ۔

فلسطین میں رسم و رواج کا بہت زور ہے وہاں لوگ ۲۷/رجب کو دھوم دھام کرتے رہے ہوں گے اسلئے مقدسی نے اس کو اختیار کرلیا، ہمارے یہاں بھی بعض لوگ ۲۷/رجب کو بڑی رات کہتے ہیں، اور چراغاں اور جلسے کرتے ہیں، اور مقدس رات سمجھتے ہیں، یہ جاہلانہ خیال ہے، شب قدر اور شب براءت کی طرح شب معراج ہر سال نہیں ہوتی، جس رات حضرت ﷺ کی معراج ہوئی تھی بیشک وہ رات بہت برکت والی تھی، لیکن وہ رات پھر دوبارہ نہیں آئے گی، اسلئے ہر سال شب معراج منانا یہ کوئی شرعی عمل نہیں ہے، اسلئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے ۔

یہ امت خرافات میں کھوگئی     حقیقت روایات میں کھوگئی

قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں سب سے پہلے ربیع الاول کا قول ذکر کیا، یعنی اسراء ربیع الاول ۱۱ نبوی میں ہوئی، پھر دوسرے اقوال ذکر کئے جو اوپر گزرے، پھر آخر میں فرمایا: **وقیل لیلۃ السابع و العشرین من رجب**، اور کہا گیا ہے کہ



۲۷/رجب کو، اور اس کو حافظ عبدالغنی مقدسی نے اختیار کیا ۔ اھ

اس میں بھی سال مذکور نہیں، اسکی شرح میں زرقانی محمد بن عبدالباقی مالکی نے اسکی تائید میں لکھا کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے، بعض لوگوں نے کہا یہی زیادہ قوی ہے اسلئے کہ کسی مسئلہ میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی قول کیلئے دلیل ترجیح نہ ہو اور ایک کے مطابق عمل ہو تو اسی کے راجح ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے، اسی لئے حافظ مقدسی نے اسکو اختیار کیا ۔ (زرقانی علی المواہب ص ۳۰۸ طبع المطبعۃ الازہریہ ۱۳۲۵ھ)

سوچئے ہر سال شب معراج میں کون سا عمل مشروع ہے، اس عمل سے مراد بظاہر رسم و رواج اور دھوم دھام ہے جو بعد کے زمانہ میں عام ہوا، مقدسی کی وفات پیر ۱۳/ربیع الآخر ۶۰۰ھ میں ہوئی ہے ۔ (ایضا)

امام سیوطی الخصائص الکبری میں نقل کرتے ہیں کہ ابن مردویہ نے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) سے نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ کو ۱۷ ربیع الاول کو ہجرت سے ایک سال قبل سیر کرائی گئی ۔

اور بیہقی نے امام زہریؒ سے نقل کیا کہ آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ کی طرف نکلنے سے ایک سال پہلے بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی، بیہقی نے عروہ سے بھی اس کو نقل کیا ۔ (خصائص کبری ۲۶۸)

ابن سعد (محمد بن سعد الہاشمی البصری متوفی ۲۳۰ھ) نے اپنی طبقات میں واقدی (محمد بن عُمر اسلمی) اور دوسرے اساتذہ سے متعدد صحابۂ کرام اور صحابیات سے نقل کیا کہ آنحضور ﷺ کو اسراء ۱۷/ربیع الاول کو ہجرت سے ایک سال قبل کرائی گئی، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابن عباس، ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ عنہم سے

اسکونقل کیا .                ( طبقات ابن سعد ۱/ ۱۶۶)

یہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں یہ واقعہ پیش آیا، اسی لئے عینی نے لکھا کہ وهوقول الاکثرین، یہ اکثر لوگوں کا قول ہے، ابن حزم نے مبالغہ کرکے اجماع بول دیا.

اس کے مقابلہ میں دوسرے اقوال خاص طور سے رجب میں معراج ہونے کا اور اس میں بھی ۲۷/رجب کا قول کمزور معلوم ہوتا ہے .

یہ صحابہ اور تابعین کی روایتیں فن حدیث کے لحاظ سے اگرچہ بہت اونچی نہیں ہیں لیکن تاریخی واقعہ کی حیثیت سے معتبر ہیں، واقدی حدیث میں متکلم فیہ ہیں لیکن تاریخ میں ان کا قول معتبر مانا جاتا ہے، حافظ نے فتح الباری میں بہت سی جگہوں پر ان کا قول نقل کیا ہے، جیسے تحویل قبلہ کا واقعہ. (فتح الباری ۱/۵۰۳)

ابن رجب حنبلیؒ لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف میں لکھتے ہیں:

قاسم بن محمدؒ سے مروی ہے کہ آنحضورﷺ کو اسراء ۲۷ رجب کو ہوئی، اس کی سند صحیح نہیں ہے اور ابراہیم حربی وغیرہ نے اس سے انکار کیا ہے. (لطائف ۱۳۴)

ابن کثیر نے بھی لکھا کہ ۲۷/رجب کو معراج ہونے کی ایک حدیث ہے اس کی سند صحیح نہیں. (البدایہ والنہایہ ۴/۴۷۰ تحقیق ترکی)

ابن دحیہ کلبی م۶۳۳ھ نے لکھا کہ بعض واعظوں نے کہا کہ اسراء رجب میں ہوئی، جرح وتعدیل کے ائمہ کے نزدیک یہ بالکل جھوٹ ہے. **(اداء ما وجب فی بیان وضع الوضاعین فی رجب له ص ۱۱۰ طبع مؤسسة الریان بیروت بتعلیق عزّون)**



حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کو نقل کیا اور سکوت کیا. (تبیین العجب ص ۱۱)

بہر حال ایک ضعیف قول ۲۷/رجب کا مان لیا جائے تو بھی ۲۷/رجب کو یا ربیع الاول کی کسی تاریخ میں معراج کا ہونا قوی ہے، تو اس کی کسی تاریخ میں کوئی عمل شریعت میں مشروع نہیں، اسلئے اس میں شب معراج منانا اور دھوم دھام کرنا، اسکو بڑی رات سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے ۱۲/ربیع الاول کو آپﷺ کی ولادت شریفہ کا دن مان کر بھی اس میں جلسہ جلوس کرنا اور دھوم دھام کرنا کوئی شرعی عمل نہیں اور اگر اس کو کارِ ثواب سمجھا گیا تو پھر بدعتِ ضلالت ہوگا، اسی طرح کسی رات کو متعین کرکے اس میں شب معراج منانا، جلسے جلوس کرنا، روشنی زیادہ کرنا، کھانا پکانا اور اسکو کھلانا کوئی شرعی عمل نہیں اور اگر اسکو ثواب کا کام سمجھا گیا تو وہ بدعت ہوگا، بعض جگہوں پر اس کا رواج ہے، اسکو بند کرنا چاہئے اور لوگوں کو سمجھانا چاہئے.

شب براءت ہر سال آتی ہے اور متعین ہے، شب قدر بھی ہر سال ہوتی ہے اگرچہ غیر متعین ہے، ان راتوں کو بڑی سمجھنا اور فضیلت کی وجہ سے عبادت، نماز، تلاوت ذکر وغیرہ میں مشغول ہونا، توبہ استغفار کرنا بیشک شریعت کی تعلیم ہے، اس پر عمل کرنا چاہئے، اس میں بھی رسم ورواج اور بدعات سے پرہیز کرنا چاہئے، خصوصاً شب براءت میں، علماء کرام نے اس پر تنبیہ کی ہے، ہم نے بھی اپنی شب براءت کی حقیقت نامی کتاب میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی ہے .

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں: لیلۃ المعراج اور اس کے بعد کے دن میں کوئی عبادت ماثور نہیں. (احسن الفتاوی ۴/ ۴۳۱)

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے پوچھا گیا:

سوال : شب معراج میں بعد نماز عشاء تقریر ہوتی ہے، معراج شریف پر روشنی ڈالی جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے، بدعت تو نہیں ؟

الجواب : حامداً و مصلیاً۔ اس شب میں کوئی مخصوص عمل مسنون نہیں، جیسا اور راتوں کا حال ہے وہی اس کا حال ہے، اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہ کی جائے.

( فتاوی محمودیہ ۴۳۴/۵ مکتبہ محمودیہ )

سوال: یہاں افریقہ میں یہ التزام ورواج ہے کہ شب معراج میں عشاء کے وقت خصوصی اعلان و دعوت کے ساتھ لوگوں کو جمع کر کے وعظ، شیرینی اور نماز نوافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، آیا شریعت میں اس قسم کا التزام واہتمام کہیں مشروع ہے؟ اور اس التزام کو نہ ماننے والا گنہگار ہوگا ؟

جواب: یہ التزام واہتمام بے دلیل ہے، بدعت وخلاف شرع ہے، جو اس التزام کو نہ مانے وہ گنہگار نہیں بلکہ اس کو روکنے والا ماجور ہے، اس شب میں خصوصیت سے کوئی نماز مشروع نہیں. ( ایضا ۴۹۷/۵ )

امام لاہوریؒ فرماتے ہیں ..... :

لہذا برسوں اور مہینوں کے اختلاف مذکور سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے مبارک زمانہ یا صحابۂ کرام اور تابعین کے زمانہ میں معراج شریف کے نام سے کسی تقریب کے منانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا جس میں خورد ونوش یا لباس و پوشاک یا کوئی عبادت کسی خاص دن یا رات میں ادا کی جاتی ہو، اگر کوئی خاص اہتمام ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس قدر اختلاف باقی رہتا، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا جسے حضور سرورِ کائنات فداہ ابی وامی کی اس عزت افزائی سے فرحت وسرور نہ



ہو جو آپ کو معراج شریف کی رات دیدار الٰہی میں نصیب ہوئی . (امام لاہوریؒ کے رسائل : معراج النبی ﷺ ص ۱۰۸و۱۰۹ مکتبہ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ)

فتاوی رشیدیہ میں ہے: ( ستائیسویں(۲۷) رجب کے روزہ کی فضیلت )

سوال: ۲۷رتاریخ صوم رجب کا ثبوت حدیث سے ہے یا نہیں، اور فضائل اعمال میں تو حدیث ضعیف قابل عمل ہوتی ہے نہ کہ ثبوت اعمال میں لائق قبول ہو، اور اگر ہوسکتی ہے تو اس کو تحریر فرماویں.

جواب: فضیلت ستائیس صوم رجب کی کسی صحیح حدیث سے منقول نہیں، رجب وغیر رجب برابر ہیں مگر بعض احادیث سے اشہر حرم کی کچھ فضیلت ثابت ہوتی ہے، پس چاروں ماہ حرام برابر ہوئے، سوائے ایام معدودہ کے جن کی فضیلت ثابت ہوئی ہے، بعد اس کے اگر ضعیف روایت سے فضیلت صوم رجب کی ثابت ہو تو روزہ رکھنا جائز ہے کیونکہ صوم عبادت ہے، مگر صوم رجب کو مثل واجب کے جانا جاوے تو اس وقت بدعت ہو جاویگا، پس ثبوت صوم کا تو مطلق فضیلت صوم نفل سے ثابت ہے، اور پھر اشہر حرم کے صوم سے ثابت ہے اور فضل خاص اگر ضعیف روایت سے ہو تو اس پر عمل درست ہے جب تک مؤکد و واجب نہ جانا جاوے . فقط واللہ تعالے اعلم

( فتاوی رشیدیہ ص ۳۷۲ مع تالیفات رشیدیہ )

ایک جواب میں حضرت لکھتے ہیں :

رجب کا روزہ رکھنا مباح و جائز ہے مگر خصوصیت کسی تاریخ کی کرنا یا اس کو مسنون اور دیگر ایام سے افضل جاننا یا زیادہ موجب ثواب جاننا اس کو مکروہ و بدعت لکھتے ہیں ورنہ جیسا تمام سال ہے رجب بھی ایک ماہ ہے . (۳۷۳)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں :

۲۷ رجب کی شب کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ یہ شب معراج ہے اور اس شب کو بھی اسی طرح گزارنا چاہئے جس طرح شب قدر گزاری جاتی ہے اور جو فضیلت شب قدر کی ہے کم وبیش شب معراج کی بھی وہی فضیلت سمجھی جاتی ہے، بلکہ میں نے تو ایک جگہ یہ لکھا ہوا دیکھا کہ ’’ شب معراج کی فضیلت شب قدر سے بھی زیادہ ہے‘‘ اور پھر اس رات میں لوگوں نے نمازوں کے بھی خاص خاص طریقے مشہور کردئے ہیں کہ اس رات میں اتنی رکعات پڑھی جائیں اور ہر رکعات میں فلاں فلاں خاص سورتیں پڑھی جائیں ، خدا جانے کیا کیا تفصیلات اس نماز کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہو گئیں ، خوب سمجھ لیجئے یہ سب بے اصل باتیں ہیں ، شریعت میں ان کی کوئی اصل اور کوئی بنیاد نہیں .

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ۲۷ رجب کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی رات ہے جس میں نبی کریم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے ، کیونکہ اس باب میں مختلف روایتیں ہیں ، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول کے مہینے میں تشریف لے گئے تھے ، بعض روایتوں میں رجب کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں کوئی اور مہینہ بیان کیا گیا ہے ، اس لئے پورے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی رات صحیح معنی میں معراج کی رات تھی ، جس میں آنحضرت ﷺ معراج پر تشریف لے گئے .

اس سے آپ خود اندازہ کرلیں کہ اگر شب معراج بھی شب قدر کی طرح کوئی مخصوص رات ہوتی اور اس کے بارے میں کوئی خاص احکام ہوتے جس طرح شب



قدر کے بارے میں ہیں تو اس کی تاریخ اور مہینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ، لیکن چونکہ شب معراج کی تاریخ محفوظ نہیں تو اب یقینی طور سے ۲۷ رجب کو شب معراج قرار دینا درست نہیں ....

لہذا اس رات میں عبادت کیلئے خاص اہتمام کرنا بدعت ہے ، یوں تو ہر رات میں اللہ تعالی جس عبادت کی توفیق دے دیں وہ بہتر ہی بہتر ہے ، لہذا آج کی رات بھی جاگ لیں ، کل کی رات بھی جاگ لیں ، اسی طرح پھر ستائیسویں رات کو بھی جاگ لیں لیکن اس رات میں اور دوسری راتوں میں کوئی فرق اور کوئی نمایاں امتیاز نہیں ہونا چاہئے .

اسی طرح ستائیس رجب کا روزہ ہے ، بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو فضیلت والا سمجھتے ہیں جیسے کہ عاشورہ اور عرفہ کا روزہ فضیلت والا ہے اسی طرح ستائیس رجب کے روزہ کو بھی فضیلت والا روزہ خیال کیا جاتا ہے ، بات یہ ہے کہ ایک یا دو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں .

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے بدعت کا سد باب کیا ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں بعض لوگ ۲۷ رجب کو روزہ رکھنے لگے ، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ۲۷ رجب کا خاص اہتمام کرکے لوگ روزہ رکھ رہے ہیں تو چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا ادھر ادھر ہونا ممکن نہیں تھا چنانچہ وہ فوراً گھر سے نکل پڑے اور ایک ایک شخص کو جا کر زبردستی فرماتے کہ تم میرے سامنے کھانا کھاؤ اور اس بات کا ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے ، باقاعدہ اہتمام

کر کے لوگوں کو کھانا کھلایا تا کہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ آج کا روزہ زیادہ فضیلت کا ہے، بلکہ جیسے اور دنوں میں نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں اسی طرح اس دن کا بھی نفل روزہ رکھا جاسکتا ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، آپ نے یہ اہتمام اسلئے فرمایا تا کہ بدعت کا سد باب ہو اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو ...

ہاں البتہ اگر کوئی شخص عام دنوں کی طرح اس میں بھی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے اس کی ممانعت نہیں لیکن اس کی زیادہ فضیلت سمجھ کر، اس کو سنت سمجھ کر، اس کو زیادہ مستحب اور زیادہ اجر و ثواب کا موجب سمجھ کر اس دن روزہ رکھنا یا اس رات میں جاگنا درست نہیں بلکہ بدعت ہے.... اھ (اصلاحی خطبات حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ۱/۵۴ مکتبہ میمن اسلامک پبلیشرز)

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

یہاں ایک بات یاد رکھیں وہ یہ کہ کوئی بھی عبادت قیاس اور اپنی رائے کے ذریعہ ثابت نہیں کی جاسکتی، جسکو قرآن یا حدیث نے عبادت قرار نہیں دیا وہ عبادت نہیں، اب اگر کوئی شخص کسی عبادت میں اضافہ کرتا ہے یا کوئی نئی عبادت متعارف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل سے یہ دعوی کر رہا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا وہ اب اسے مکمل کر رہا ہے.

رجب کے مہینے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس میں معراج ہوئی، دوسری بات یہ ہے کہ اس مہینہ کی کوئی خاص فضیلت الگ طور پر نہیں آئی، کسی سند صحیح کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ ۲۷ ویں شب کو جاگنے اور ۲۷ رجب کا روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے، رات کو عبادت کرنے کے معاملہ میں



دوسری راتوں کی طرح یہ بھی ایک رات ہے اور دن کو روزہ رکھنے کے معاملہ میں دوسرے دنوں کی طرح یہ بھی ایک دن ہے، یعنی جو حکم باقی راتوں اور دنوں کا ہے وہی حکم اس رات اور دن کا بھی ہے، اگر کوئی شخص اس رات کو جاگ کر عبادت کرے یا دن کو روزہ رکھے تو بہت اچھی بات ہے، لیکن یوں سمجھنا کہ اس رات میں عبادت کرنے کا یا دن کو روزے رکھنے کا کوئی خاص ثواب ہے ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے. (اصلاحی تقریریں: حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ۸/۸۱ و ۸۲ مکتبہ بیت العلم)

فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل میں ہے:

سوال: ۲۷ رجب کو جو روزہ رکھتے ہیں یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، اس کو بعض لوگ ہزارہ روزہ کہتے ہیں؟

جواب: ستائیسویں رجب کے روزے کو جو عوام ہزارہ کہتے ہیں اور ہزار روزوں کے برابر اس کا ثواب سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ہے. فقط

(فتاوی دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل ۶/۳۰۴ مکتبہ دار الاشاعت کراچی)

سوال: بہت سے لوگ ستائیسویں رجب کے روزہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ہزاری روزہ (یعنی ہزاروں روزوں کے برابر ثواب) سمجھتے ہیں اور اسی اعتقاد سے روزے رکھتے ہیں، اسکے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابل اعتماد نہیں، لہذا ستائیسویں رجب کا روزہ عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر ہزار روزوں کا ثواب ملے گا اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے،

حضرت عمر فاروقؓ ستائیسویں رجب کا رکھنے سے منع فرماتے تھے .

**حدیث: فی رجب یوم ولیلة ، من صام ذلک الیوم و قام اللیلة کان له الأجر کمن صام مائة سنة و هی لثلث بقین وفیه بعث اللّٰه محمداً. رواه الدیلمی عن سلیمان ، فیه خالد بن هیاج و ابن هیاج متروک له أحادیث مناکیرة کثیرة .** (ما ثبت بالسنة ص ۱۷۵)

( فتاوی دار العلوم مدلل و مکمل ۶ / ۴۹۱)

فتاوی رحیمیہ میں ہے :

**عن خرشة بن الحر: قال رأیت عمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ **یضرب أكُفَّ الرّجال فی صوم رجب حتی یضعوها فی الطعام و یقول رجب و ما رجب انما رجب شهر تعظّمه الجاهلیة ، فلما جاء الاسلام ترک.**

( رواه ابن ابی شیبة و الطبرانی فی الاوسط ) ( ماثبت بالسنة ۱۷۳ )

البتہ کوئی سنت اور ہزاری روزہ کے اعتقاد کے بغیر صرف نفل روزہ رکھے تو منع نہیں.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ ۷/۲۷۴ مکتبہ دارالاشاعت کراچی)

مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب مدظلہ درج ذیل سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

سوال: رجب کی ۲۷ ویں شب کو بڑی (رات) عبادت کی رات) ماننا اور ۲۷ ویں رجب کو دن میں روزہ رکھنا اور اچھا کھانہ پکانا یہ کلام پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب: حامداومصلیا ومسلما: ایسا کچھ ثابت نہیں، اسی طرح صرف اس دن کا روزہ رکھنا یا صرف اس رات شب بیداری کرنے میں کوئی خاص فضیلت یا ثواب بھی نہیں.



فقط واللہ تعالیٰ اعلم . ( فتاوی دینیہ ۱/۲۶۹ الباب التاسع ما یتعلق بالبدعات وغیرہ مکتبہ جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت گجرات انڈیا )

## ستائیسویں رجب کی خاص نماز

امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ نے احیاء علوم الدین میں ایک خاص نماز ذکر کی ہے اور لکھا ہے: **و لیلة سبع و عشرین منه وهی لیلة المعراج و فیها صلوة مأثورة ، فقد قال رسول اللّٰه ﷺ : للعامل فی هذه اللیلة حسنات مائة سنة** ، پھر نماز ذکر کی، بارہ (۱۲) رکعات، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کی کوئی سورت، ہر دو رکعات پر (صرف) تشہد اور اخیر میں سلام، پھر سو (۱۰۰) مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، پھر سو (۱۰۰) مرتبہ استغفار اور سو (۱۰۰) مرتبہ درود شریف، اور اپنے لئے دنیا وآخرت کی جو چاہے دعا کرے اور صبح کو روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کی تمام دعائیں قبول فرمائیں گے الا یہ کہ معصیت کی دعا کرے (تو وہ قبول نہیں ہوگی) . **(احیاء العلوم : کتاب ترتیب الأوراد ، ربع العبادات ۲/ ۵۷۶ مطبوعه دار المنهاج)**

شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ کی غنیة الطالبین میں سند کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص رجب کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھے اسے ساٹھ (۶۰) ماہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے، کیونکہ یہ پہلا دن ہے جس میں جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس نبوت کا پیغام لیکر آئے .

یہ روایت بھی سند کے ساتھ سلمان فارسیؓ سے مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ماہ رجب میں ایک رات ایک دن ایسا آتا ہے کہ اگر اس روز کوئی روزہ رکھے اور رات کو نماز میں قیام کرے تو اسے سو (۱۰۰) برس تک روزہ رکھنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اور سو برس تک ہر رات قیام کرنے والے کے برابر اجر دیا جاتا ہے، یہ رات ماہ رجب کی آخری تین راتوں میں سے ایک ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا فرمائی گئی. (غنیۃ الطالبین ص ۳۵۵ اردو اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی)

غُنیہ میں مطلقا ماہ رجب میں روزہ رکھنے کے اور پہلے جمعہ کو نیز پہلی جمعرات کو روزہ رکھنے کے فضائل بھی مذکور ہیں اور پہلی جمعرات کی بعد والی رات میں بارہ رکعات کی ایک خاص نماز بھی مذکور ہے اور اس کے بہت سے فضائل مذکور ہیں. (دیکھئے ۳۵۴)، احیاء العلوم میں بھی اس کا ذکر ہے. (۵۷۶/۲)

**غُنیہ کتاب کا معیار**: غنیۃ الطالبین عام طور سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب سمجھی جاتی ہے جن کا انتقال ۵۶۱ھ میں ہوا، لیکن نبراس شرح شرح عقائد میں لکھا ہے کہ یہ کتاب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نہیں ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ ہرگز ثابت نشدہ کہ ایں تصنیف آنجناب است ...الخ یعنی یہ بات ہرگز ثابت نہیں کہ یہ حضرتؒ کی تصنیف ہے، اگرچہ آپ کی طرف شہرت ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید حضرت کا اس میں کچھ حرف ہو میں نے ترجمہ کیا، اور شیخ محمد باقر نے لکھا: نسبت کتاب غُنیہ بآنحضرت در کتب معتبرہ یافتہ نشدہ وایں کتاب در حضیض ثری است، ترجمہ: غُنیہ کتاب کی نسبت حضرت جیلانی کی طرف معتبر کتابوں میں نہیں پائی گئی، یہ کتاب بہت معمولی اور گھٹیا ہے. دیکھو صیانۃ الانسان



ص ۱۱۷. (مکتوب حضرت محدث اعظمیؒ: المآثر ص ۵۲ شمارہ ۴ جلد ۱۸)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے جامعہ ڈابھیل میں بخاری شریف کے سبق میں فرمایا کہ اس کتاب میں دسائس ہیں، یہ بات ذہبی نے فرمائی. (تقریر بخاری ۲۷۷ مطبوعہ ڈابھیل)

امام غزالیؒ کی ذکر کردہ حدیث اسی طرح غُنیہ کی روایات معتبر نہیں ہیں، خاص طور سے امام غزالیؒ نے ۲۷/رجب کو شب معراج لکھ دیا اس کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ بہت ضعیف بات ہے، اسی لئے محدثین اس کی تردید کر رہے ہیں اور ہمارے اکابر علماء بھی لکھتے آرہے ہیں کہ اس کی کوئی خاص فضیلت اور اس میں خاص نماز نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے دیکھا.

پندرھویں شعبان کی رات میں بھی ایک خاص نماز بتائی جاتی ہے جس کا نام صلوۃ الرغائب ہے، یہ بے اصل ہے، ملا علی قاریؒ موضوعات کبریٰ میں لکھتے ہیں:

**"و کذا صلوة عاشوراء و صلوة الرغائب موضوعة بالاتفاق، و کذا بقية صلوات ليالى رجب و ليلة النصف من شعبان مأة ركعة فى كل ركعة عشر مرات بالاخلاص، ولا تغتر بذكرها فى قوت القلوب و احياء العلوم".** (موضوعات کبری ۲۸۹)

ترجمہ: اور اسی طرح عاشوراء کی نماز اور رغائب کی نماز بالاتفاق موضوع ہے اور اسی طرح رجب کی راتوں کی بقیہ نمازیں اور نصف شعبان کے رات کی سو (۱۰۰) رکعات نماز، ہر رکعت میں دس مرتبہ سورۂ اخلاص کے ساتھ (یعنی موضوع ہے)، قوت القلوب اور احیاء العلوم میں ذکر ہونے سے دھوکہ مت کھانا. اھ

اسلئے کہ ان کتابوں میں بہت سی بے اصل باتیں مذکور ہیں ۔

مولانا عبدالحئی لکھنویؒ آثار مرفوعہ میں لکھتے ہیں :

**”لا اعتبار لوقوع حديثها في الغُنية وغيرها من كتب الصوفية فانَّ العبرة في باب ثبوت الحديث هو نقد الرجال لا كشف الرجال“ .**

**(۱۲۶)**

اور لکھتے ہیں: **”فانه قد مر غير مرة أن لا عبرة بذكر هذه الصلوات في الاحياء و قوت القلوب والغنية وغيرها من كتب الصوفية و قد قال العراقي في تخريج أحاديث الاحياء : حديث صلوة نصف شعبان حديث باطل“.** (ص۱۳۱ آثار مرفوعہ: مجموعہ سبع رسائل)

اس کتاب میں اسطرح کی احادیث کی بہت تفصیل ہے،اسکا مطالعہ کرنا چاہئے، البتہ ہمارے خیال میں مولاناؒ سے یہ تسامح ہوا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ ۲۷/رجب یا دوسرے اقوال کے مطابق جس رات کو شب معراج مانی جائے اس کو عبادت سے زندہ کیا جائے اور اس کی صبح کو روزہ رکھا جائے یہ مستحب ہے.اھ (ص۱۲۷)

بیشک جس رات حضرت ﷺ کو معراج کرائی گئی وہ بہت بڑی رات تھی،مولانا خود لکھتے ہیں : **و لذا قيل انّ ليلةَ الاسراء أفضلُ من ليلة القدر في حق نبينا ﷺ لا في حق الأمة .** (ایضا)

لیکن وہ رات ہر سال نہیں آتی،آج اس تاریخ کی رات عام راتوں کی طرح ہے اور اسکے بعد والا دن بھی جیسا کہ متعدد مفتیان کرام کے فتاوی آپ نے پڑھے.

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالے لکھتے ہیں: رجب کا روزہ رکھنا جائز اور مباح ہے



مگر خصوصیت کسی تاریخ کی کرنا یا اس کو مسنون اور دیگر ایام سے افضل جاننا یا زیادہ موجب ثواب جاننا اس کو مکروہ و بدعت لکھتے ہیں ورنہ جیسا تمام سال ہے رجب بھی ایک ماہ ہے. فقط واللہ تعالی اعلم ، اور ہزاری لکھی کچھ نہیں،اسی وجہ سے بدعت لکھا ہے .فقط (فتاوی رشیدیہ ۳۷۳)

یہی علماء دیوبند کا مذہب ہے اسی پر قائم رہنا چاہئے .

۲۷/رجب کے روزہ کے بارے میں سب سے اچھی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث ہے، **من صام يوم سبع وعشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو اليوم الذى هبط فيه جبرئيل بالرسالة .**

جو ستائیس رجب کو روزہ رکھے اس کو ساٹھ مہینے کے روزوں کا ثواب ملے گا اور اسی میں جبریل علیہ السلام رسالت لیکر اترے .

حافظ ابن حجرؒ اسکو ذکر کر کے لکھتے ہیں : **وهو أمثل ماورد في هذا المعنى** اس مضمون کی سب سے اچھی حدیث ہے، **وهو موقوف ضعيف الاسناد .**

(**تبيين العجب بما ورد في فضل رجب لابن حجر بتحقيق أبو أسماء أبو ابراهيم** ص ٤٥)

حضرت تھانویؒ نے بھی اس حدیث کو ذکر فرمایا،اس کے باوجود اس روزہ کو جائز قرار دیا،بغیر کسی خاص مقدار میں ثواب کا یقین کئے ہوئے. (دیکھئے امداد الفتاوی ۲/۱۱۷ بعنوان: تحقیق صوم ۲۷/رجب)

آخری عبارت یہ ہے : قواعد سے اتنی گنجائش ہے کہ جاہلیت کی تشبہ کی بناء پر صوم کو منع کیا جائے اور اب چونکہ یہ تشبہ نہیں رہا اسلئے اجازت دی جائے ، بہر حال

اس روزہ کو عملاً منع نہ کیا جائے مگر عقیدہ کی اصلاح کر دی جائے. فقط ۲۷/ذی الحجہ ۳۴ھ (ترجیح رابع ص ۸۵)

التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف میں بھی حضرت نے اس مسئلہ پر بحث کی، اور ابو ہریرہؓ کی اوپر والی حدیث ذکر کی، اس کتاب سے فراغت محرم ۱۳۵۳ھ میں ہوئی، بہشتی زیور میں لکھا تھا کہ اس کی کوئی اصل نہیں، فرمایا کہ یہ بات ہم نے اس اثر پر مطلع ہونے سے قبل لکھی. (التشرف ص ۲۴)

امداد الفتاوی کی عبارت اس اثر پر مطلع ہونے کے بعد کی ہے.

بعینہ اسی طرح کی بات ہم نے پندرہویں شعبان کے روزہ کے بارے میں لکھی ہے کہ پندرہویں شعبان کا روزہ نفل کی نیت سے رکھ سکتے ہیں، سنت یا ثابت سمجھ کر نہیں، کیونکہ اسکی حدیث بہت ضعیف ہے . (شب براءت کی حقیقت ص ۲۷ جدید) واللہ اعلم

ابو ہریرہؓ کی حدیث میں یہ مضمون کہ ۲۷/رجب کو جبرئیل رسالت لیکر اترے، مشہور قول کے خلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول میں پہلی وحی آئی. (امداد الفتاوی ۲/۱۱۷) .

بغیر تاویل کے یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی، اسی سے بقیہ حدیث کا حال بھی معلوم ہوجاتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ پہلی وحی رمضان میں آئی. (فتح الباری ۱/۲۷)

**عن خرشة بن الحر : قال رأيت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يضرب أكُفَّ الرّجال في صوم رجب حتى يضعوها في الطعام و يقول : وما رجب انما رجب شهر يعظّمه أهل الجاهلية، فلما جاء الاسلام تُرك.**



**( مجمع الزوائد : كتاب الصيام : باب صيام رجب ج ۳ ص ٤٣٩ )**

**كان ابن عباسؓ ينهى عن صيام رجب كله لأن لا يتخذ عيداً .**

**(مصنف عبد الرزاق : باب صيام أشهر الحرم ج ٤ ص ٢٩٢ )**

ان حدیثوں کو بھی سامنے رکھنا چاہئے، ان کا تقاضا تو منع ہے لیکن جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے لکھا: ''اب یہ تشبہ نہیں ہے اسلئے اجازت دیدیجاوے'' کما مر، مستحب کہنا مشکل ہے. واللہ تعالی اعلم

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ۲۵/جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ ۱۵/اپریل ۲۰۱۵ء

## اسراء اور معراج کا سفر بڑی قربانیوں کے بعد ہوا

یہ سفر غالباً ربیع الاول ۱۲ نبوی میں ہوا، شعب ابی طالب میں ۷ نبوی سے لیکر ۱۰ نبوی تک بڑی مشقت اور مجاہدہ کی زندگی گزری، اس سے نکلنے کے بعد چچا ابو طالب کا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، یہ دونوں بڑا سہارا تھے، ابو طالب آپ کو ظالموں سے بچاتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دعوت و عبادت کے کام میں آپ کی مدد کیا کرتی تھیں، حضرت خدیجہؓ کا انتقال رمضان ۱۰ نبوی میں ہوا، ہجرت سے تین سال قبل جیسا کہ بخاری میں بھی ہے (۱/۵۵۱)

ان دونوں کا انتقال آپ کیلئے بڑے صدمہ کا باعث رہا ہوگا، اس کے بعد مکہ والوں سے تنگ آکر طائف تشریف لے گئے، وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا، آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، طنزیہ جملے کہے اور نو جوانوں

کوآپ کے پیچھے لگادیا جنھوں نے آپ کو پتھر مار مار کر زخمی کردیا، آپ ﷺ مایوس اورغمزدہ ہوکر واپس آئے، راستہ میں مشہور دعا بھی کی : الی مَن تکِلُنی، الیٰ عدوٍّ یَتجَهَّمُنی، أم الی قریب ملّكتَه أمری ، اِن لم تكُن ساخطاً علیّ فلا اُبالی ... الی آخر الدعاء . یقیناً یہ دعا قبول ہوئی، مظلوم پیغمبر کی دعا تھی.

آپ نے قوم کی ہلاکت کی بددعا نہیں کی، پہاڑوں کے فرشتہ نے دو پہاڑوں کے درمیان پیس دینے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے سراپا رحمت ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی، امید رکھی کہ اللہ تعالے ایک دن ان کو ہدایت دیں گے .
(بخاری ۱/۴۵۸ ومسلم ۲/۱۰۹)

طائف سے واپسی میں مقام نخلہ میں نصیبین کے جنات حاضر ہوئے، نماز میں آپ ﷺ قرآن پڑھ رہے تھے، قرآن سنکر ایمان لائے اور اپنی قوم کو جاکر دعوت بھی دی، سورۂ احقاف میں اس کا ذکر ہے .

مکہ مکرمہ میں مطعم بن عدی نے آپ کو پناہ دی تو آپ مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور دعوت کے کام میں مشغول رہے، اس کے بعد اسراء ومعراج کا سفر ہوا، مولانا ادریس کاندھلویؒ نے سیرت مصطفیٰ ﷺ میں واقعات کی یہی ترتیب لکھی جو بہت معقول اور مناسب معلوم ہوتی ہے، لکھتے ہیں :

۱۰ نبوی گزر گیا، ابتلاء اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہوگئیں، ذلت ورسوائی (بظاہر) کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہی جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں برداشت نہ کی ہو اور ظاہر ہے کہ خدائے رب العزت کی راہ میں ذلت ورسوائی کا انجام سوائے عزت ورفعت اور سوائے معراج وترقی کے اور کیا ہوسکتا ہے، چنانچہ جب شعب ابی



طالب اور سفر طائف سے ذلت انتہاء کو پہونچ گئی تو خداوند ذوالجلال نے اسراء اور معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا، اور آپ ﷺ کو اس قدر اونچا کیا کہ افضل الملائکۃ المقربین یعنی جبریل بھی پیچھے اور نیچے رہ گئے اور ایسے مقام تک سیر کرائی جو کائنات کا منتہیٰ ہے، یعنی عرش عظیم تک جسکے بعد اب اور کوئی مقام نہیں. (سیرت مصطفیٰ ۱/۲۸۸)

جس کی جتنی قربانی اس پر اتنی مہربانی، بقدر الكدّ تكتَسبُ المعالی

## صحیح بخاری اور حدیث معراج

صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے معراج کی حدیث حضرت انسؓ سے تین طرح بیان کی ہے :-

(۱)۔ ایک حضرت انسؓ کی حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے، یہ بخاری میں ۴۵۵ پر باب ذکر الملائکۃ میں اور پھر ۴۸۱ پر کتاب الانبیاء میں باب قول اللہ عز وجل: وھل أتاک حدیث موسیٰ کے ماتحت بہت مختصر، پھر ۴۸۷ پر بھی بہت مختصر، پھر ۵۴۸ پر باب حدیث الاسراء میں مفصل آئی ہے، ان سب میں حضرت انسؓ کے شاگرد قتادہ ہیں، یہی حدیث سب سے مکمل ہے .

(۲)۔ دوسری حدیث حضرت انسؓ کی حضرت ابوذر غفاریؓ سے ہے، یہ کتاب الصلوۃ کے شروع میں ص ۵۰ پر ہے اور پھر ص ۴۷۱ پر باب ذکر ادریس میں ہے، اس میں حضرت انسؓ کے شاگرد امام زہریؒ ہیں، اس میں آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی جگہیں ضبط کے ساتھ نہیں بیان ہوئی ہیں .

(۳)۔ تیسری حدیث حضرت انسؓ کی خود ان کی روایت سے ہے، اس میں نہ مالک بن صعصعہ کا ذکر ہے نہ ابوذرؓ کا، یہ حدیث مختصراً ۱/۵۰۴ پر باب علامات النبوۃ فی الاسلام سے پہلے والے باب میں آئی ہے، پھر ۲/۱۱۲۰ پر **باب قول اللّٰہ تعالی و کلّم اللّٰہ موسی تکلیماً** میں بہت تفصیل سے آئی ہے ، اس میں حضرت انسؓ کے شاگرد شریک بن عبداللہ بن ابی نمر مدنی ہیں، ان میں کچھ کلام ہے، ان کی اس روایت میں محدثین کو بارہ (۱۲) اعتراضات ہیں، شراح نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے ۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۳ / ۴۸۵)

**مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ترجمہ:**

بخاری ۱/۵۴۸ باب حدیث الاسراء میں اس طرح ہے : فرماتے ہیں :

’’آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام سے اپنے اسراء کا واقعہ یوں بیان فرمایا: میں حطیم میں بیت اللہ کے پاس سو رہا تھا، کوئی میرے پاس آیا ہے (یہ جبریل علیہ السلام تھے جیسا کہ ابوذرؓ کی روایت میں ہے (۱/۵۰) اور یہاں سے یہاں تک پھاڑا یعنی سینے کے بالائی حصہ۔ ہنسلی کی دونوں ہڈیوں کے درمیان کے گڈھے سے ۔لیکر ناف کے بال کے اگنے کی جگہ تک ، اور میرے دل کو نکالا ، پھر سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لا گیا تھا، میرے دل کو آب زمزم سے دھل کر وہ ایمان وحکمت اس میں اڈیل دیا گیا اور دل کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا‘‘۔

مالک بن صعصعہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میں بیت اللہ کے پاس سونے والے اور جاگنے والے کے درمیان تھا، یعنی کچھ سو رہا تھا کچھ جاگ رہا تھا، ایک درمیانی کیفیت تھی، آپ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان ایک آدمی کا تذکرہ کیا۔



(بخاری ۱/۴۵۵)، غالباً یہ فرشتے انسانی شکل میں تھے، درمیانی جبریل علیہ السلام تھے، جس وقت یہ آئے آپ ﷺ درمیانی حالت میں تھے، آپ کو اٹھا کر بیدار کر کے لے گئے، اس لئے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ معراج نیند میں ہوئی یا خواب تھا، جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اسراء اور معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ۔ (کرمانی)

**ذکر رجلا بین رجلین:** دو آدمیوں کے درمیان ایک آدمی کا تذکرہ کیا، اس کی دوسری شرح وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کی، فرماتے ہیں:

’’یہ مختصر ہے، مسلم (۱/۹۳) کی روایت نے اس کی وضاحت کی ہے، اس میں اس طرح ہے کہ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے ۔ دونوں کے درمیان جو شخص ہیں ۔ پھر میرے پاس آیا گیا اور مجھے لے جایا گیا، اور نماز کے شروع میں گزرا کہ دو مردوں سے مراد حمزہ اور جعفر ہیں جن کے درمیان آپ سو رہے تھے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں تواضع اور حسن اخلاق کی صفت تھی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی لوگ ایک جگہ سو سکتے ہیں، اور دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک لحاف میں جمع نہیں ہونا چاہئے ۔ (فتح الباری ۷/۲۰۴)

ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر کی چھت کھولی گئی جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا ۔ (بخاری ۱/۵۰ و ۴۷۱)

حافظ لکھتے ہیں کہ واقدی کی روایت میں ان کی کئی سندوں سے یہ ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب سے سیر کرائی گئی اور طبرانی میں ام ہانی کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ام ہانی کے گھر رات گزاری، ان سب اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ آپ ام ہانی کے گھر سوئے تھے ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا، آپ

کے گھر کی چھت کھولی گئی، گھر تو ام ہانی کا تھا لیکن آپ نے اس کو اپنا گھر فرمایا اسلئے کہ وہاں سکونت پذیر تھے، وہاں سے فرشتہ آپ کو مسجد حرام لے گیا، وہاں آپ سو رہے تھے، آپ میں ابھی نیند کا اثر باقی تھا، وہاں سے مسجد کے دروازہ پر لے گیا اور براق پر سوار کیا، محمد بن اسحاق کی روایت میں حسن بصریؒ کی مرسل حدیث ہے کہ جبریل آپ کے پاس آئے اور آپ کو مسجد کی طرف نکالا اور براق پر سوار کیا، اس سے اس جمع کی تائید ہوتی ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ چھت سے آنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے اشارہ ہے کہ بالکل اچانک یہ کام ہو رہا ہے اور آپ کو جہت علو کی طرف لے جایا جائیگا. (فتح الباری ۷/۲۰۴)

آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ چھت سے آنے میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کا شق صدر ہوگا اور سینہ فورا جڑ جائیگا اور مل جائیگا، آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی. (فتح ۷/ ۲۰۵)

بعض لوگوں نے اسراء کے موقعہ پر شق صدر سے انکار کیا اور کہا کہ شق صدر بچپن میں ہوا تھا (جب کہ آپ اپنی مرضعہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں تھے)

حافظ فرماتے ہیں: انکار کی کوئی وجہ نہیں، روایات اس مضمون کی متواتر ہیں، شق صدر بچپن میں بھی ہوا، بعثت کے وقت شق صدر کا ذکر ابونعیم کی دلائل النبوۃ میں بھی ہے اور مسند ابو داود طیالسی اور مسند حارث میں بھی حضرت عائشہؓ سے، ہر ایک کی کچھ حکمت ہے، بچپن میں جو ہوا اس کا مقصد مسلم کی حدیث میں حضرت انسؓ سے یہ مذکور ہے کہ جبریل نے آپ کے قلب سے کچھ بندھا ہوا خون نکالا اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ آپ کے اندر تھا. (مسلم ۱/۹۲)



اسکے بعد شیطان سے حفاظت کے ساتھ آپ کی انتہائی کامل حالت میں نشونما ہوئی، پھر نبوت ملنے کے وقت بھی شق صدر ہوا اس سے آپکے اکرام میں زیادتی ہوئی تا کہ جب آپ پر وحی آئے تو آپ اس کو مضبوط دل کے ساتھ انتہائی صفائی ستھرائی کی حالت میں لیں، پھر معراج کے وقت جب آسمان کی طرف لے جانے کا وقت آیا اس وقت بھی شق صدر ہوا تا کہ اللہ تعالے کے ساتھ سرگوشی کیلئے تیار ہو جائیں.

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہ معراج کے وقت بھی شق صدر اسلئے ہوا تا کہ تیسری دفعہ قلب مبارک کو دھونے کی وجہ سے دھلنے کی تکمیل میں مبالغہ ہو جائے کیونکہ آپ کی شریعت میں تثلیث تین دفعہ دُھلنا بہت سی جگہ آیا ہے.

**تنبیہ** : یہ واقعات: سینہ کو چاک کرنا، دل کو نکال کر دھلنا اور انکے علاوہ خلافِ عادت امور سب تسلیم کئے جائیں گے، ان کو حقیقت سے پھیرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ اللہ تعالی کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے، اس کیلئے کوئی چیز محال نہیں، جو لوگ انکار کر رہے ہیں انکی بات کی طرف توجہ نہیں کی جائیگی. (فتح الباری ۱/۴۶۰ و ۷/۲۰۵)

چوتھا شق : حافظ لکھتے ہیں کہ ابونعیم نے دلائل میں ایک اور شق صدر کو ذکر کیا ہے جب کہ آپکی عمر شریف دس (۱۰) سال یا اسکے قریب تھی اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے ساتھ تھے، پانچواں شق صدر بھی مروی ہے لیکن ثابت نہیں. (فتح الباری ۱/۴۶۰)

(اسکے بعد روایت میں یہ ہے کہ) پھر میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا، خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا، حضرت انسؓ نے فرمایا: یہ براق تھا، اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی نگاہ پہونچتی، مجھ کو اس پر سوار کیا گیا، پھر جبریل علیہ السلام مجھ کو لیکر

قریبی آسمان کی طرف چلے.   (بخاری ۱/۵۴۹ باب حدیث الاسراء)

(نوٹ) ۔ بخاری شریف میں بیت المقدس جانے کا اس حدیث میں ذکر نہیں، مسلم شریف میں اس کا ذکر ہے، اگرچہ بخاری شریف میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا: قریش نے جب مجھ کو جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوگیا اور اللہ تعالی نے میرے لئے بیت المقدس کو منکشف کردیا پھر میں اس کو دیکھتے ہوئے اس کی نشانیاں بیان کرنے لگا .   (بخاری شریف ۱/۵۴۸ و ۲/۶۸۴) عن ابی سلمۃ عن جابر رضی اللہ عنہ)

مسلم شریف ۱/۹۱ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (اس میں مالک بن صعصعہ کا ذکر نہیں)، فرمایا: میں اس بُراق پر سوار ہوا یہاں تک کہ بیت المقدس پہونچا اور اس کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس میں انبیاء علیہم السلام اپنے جانور باندھا کرتے تھے، فرمایا: پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعتیں پڑھیں، پھر نکلا، جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا لائے، میں نے دودھ کو لیا، جبریل نے فرمایا: آپ نے فطرت کو لیا.   (مسلم ۱/۹۱)

بخاری ۱/۵۴۹ میں مالک بن صعصعہ کی روایت میں آگے یہ ہے :

جبریل علیہ السلام مجھکو لیکر قریبی آسمان کی طرف چلے، دروازہ کھولوایا، کہا گیا: کون ہے؟ فرمایا: جبریل (ہوں) پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد (ﷺ) ہیں، پوچھا گیا: انکو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: جی ہاں!، کہا گیا: تشریف لایئے، کشادہ جگہ آئے (خوش آمدید)، اچھا آنا آئے، دروازہ کھولا گیا، اندر گئے تو اس میں آدم علیہ السلام تھے،



جبریل نے فرمایا: یہ آپ کے والد آدم علیہ السلام ہیں، انکو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انھوں نے اسکا جواب دیا، اور فرمایا: نیک بیٹے اور نیک نبی مرحبا، کشادہ جگہ آئے.

حضرت ابوذرؓ کی روایت میں بخاری (۱/۴۷۱) پر یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کی داہنی جانب کچھ لوگ تھے اور بائیں جانب بھی، داہنی طرف جب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور بائیں طرف جب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو فرمایا کہ یہ آدم علیہ السلام کے بیٹے (اولاد) ہیں، داہنی طرف والے جنّتی ہیں اور بائیں طرف والے جہنمی ہیں، اسلئے داہنی طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں.   (بخاری ۱/۴۷۱)

(مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں آگے یہ ہے) : پھر جبریل مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہونچے، دروازہ کھولوایا، خازنِ سماء اور جبریل کے درمیان وہی گفتگو ہوئی جو پہلے آسمان پر ہوئی تھی (دروازہ کھلا، میں داخل ہوا) کہا گیا: مرحبا، خوش آمدید، اچھا آنا آئے، وہاں یحی اور عیسی علیہما السلام تھے، خالہ زاد بھائی، جبریل نے فرمایا : **مرحباً بالأخ الصالح و النبی الصالح** ،نیک بھائی اور نیک نبی مرحبا خوش آمدید، تشریف لایئے.

**تنبیہ** : یحی علیہ السلام کی ماں ایشاع بنت فاقوذا ہیں، یہ حنہ بنت فاقوذا کی بہن ہیں اور حنہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں، ایشاع کی شادی حضرت زکریا علیہ السلام سے ہوئی اور حنہ کی حضرت عمران سے، اس طرح حضرت یحی اور حضرت مریم خالہ زاد بھائی بہن ہیں، عیسی اور یحی علیہما السلام کو خالہ زاد بھائی مجازا کہا گیا .   (حاشیہ بخاری ۱/۵۴۹ نمبر ۶ عن القسطلانی)

(مالک بن صعصعہ ؓ کی روایت میں آگے یہ ہے): پھر جبریل مجھ کو لے کر تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اور دروازہ کھلوایا (اور وہی گفتگو ہوئی جو پہلے گزری) دروازہ کھولا گیا، میں داخل ہوا تو یوسف علیہ السلام تھے، جبریل نے فرمایا: یہ یوسف (علیہ السلام) ہیں ان کو سلام کیجئے، میں نے ان کو سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، اور فرمایا: نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا، پھر مجھ کو لے کر اوپر چڑھے، چوتھے آسمان پر پہونچے، دروازہ کھولوایا (وہی سوال و جواب ہوا جو پہلے گزرا)، دروازہ کھلا، میں پہونچا تو ادریس علیہ السلام تھے، جبریل کے کہنے سے میں نے ان کو سلام کیا، انھوں نے جواب دیا اور مرحبا **بالأخ الصالح و النبی الصالح** فرمایا، پھر پانچویں آسمان پر اسی طرح پہونچے اور داخل ہوئے تو وہاں ہارون علیہ السلام ملے ان کو سلام کیا، انھوں نے بھی نیک بھائی اور نیک نبی فرما کر خوش آمدید کہا، پھر چھٹیں (۶) آسمان پر پہونچے، وہاں موسی علیہ السلام ملے ان کو بھی سلام کیا، انھوں نے بھی اسی طرح مرحبا فرمایا، جب وہاں سے آگے بڑھا تو موسی علیہ السلام رونے لگے، پوچھا گیا: کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: یہ نوجوان میرے بعد بھیجا گیا، اسکی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں جائیگی، پھر اسی طرح ساتویں (۷) آسمان پر پہونچے وہاں ابراہیم علیہ السلام ملے، جبریل نے فرمایا یہ آپکے والد ہیں انکو سلام کیجئے، سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا اور **مرحبا بالابن الصالح و النبی الصالح** فرمایا، نیک بیٹے اور نیک نبی خوش آمدید (اسلئے کہ آپ ان کی اولاد میں ہیں)، پھر سدرۃ المنتہی تک مجھے پہونچایا گیا، اس کا پھل ھجر کے مٹکوں کی طرح تھا اور پتے ہاتھی کے کان کی طرح تھے، جبریل نے فرمایا: یہ سدرۃ المنتہی ہے، وہاں چار نہریں تھیں دو باطنی اور دو ظاہری، باطنی نہریں



جنت کی تھیں اور ظاہری نیل و فرات تھیں، پھر میرے سامنے بیت معمور پیش کیا گیا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (نماز پڑھتے ہیں، ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی داخل نہیں ہوں گے. بخاری ۱/ ۴۵۶)

پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا پیش کیا گیا، میں نے دودھ کو لیا، جبریل نے فرمایا: یہ وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپکی امت ہے.

پھر میرے اوپر روزانہ کیلئے پچاس (۵۰) نمازیں فرض کی گئیں، میں لیکر موسی علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو فرمایا: کیا حکم آپ کو ملا ہے؟ میں نے کہا روزانہ پچاس نمازیں، فرمایا: آپ کی امت سے پچاس نمازیں روزانہ نہیں ادا ہو پائیں گی، اللہ کی قسم میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے، بنی اسرائیل پر میں نے سخت تجربہ کیا ہے، جائیے اپنے رب سے اپنی امت کیلئے کم کرنے کی درخواست کیجئے، میں گیا تو اللہ تعالے نے دس کم کردیں، لیکر پھر موسی علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پھر وہی فرمایا، میں واپس گیا تو اللہ تعالی نے پھر دس کم کردیں، اسی طرح بار بار ہوا، یہاں تک کہ دس (۱۰) رہ گئیں، موسی علیہ السلام نے فرمایا: یہ بھی نہیں ہوسکیں گی، پھر گیا تو اللہ تعالے نے پانچ کردیں، موسی علیہ السلام کے پاس آیا تو فرمایا: یہ بھی آپ کی امت سے ادا نہ ہوسکیں گی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل پر خوب تجربہ کیا ہے، اپنے رب کے پاس جائیے اور کم کرائیے، میں نے کہا: اپنے رب سے بار بار درخواست کی، اب مجھے شرم آتی ہے، اس پر میں راضی رہوں گا اور اسکو مان لونگا، جب میں وہاں سے گزرا تو کسی نے پکار کر کہا (من جانب اللہ): میں نے اپنے فریضہ

کو جاری اور نافذ کردیا، اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی [1] (بخاری ۱/۵۵۰)

## مسلم شریف کی روایات

مسلم شریف میں ثابت بُنانیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں (اس میں نہ ابوذر کا نام ہے نہ مالک بن صعصعہ کا)، اس میں یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام ملے، بیت معمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس میں روزانہ ستر (۷۰) ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ داخل نہیں ہوں گے، پھر مجھکو سدرۃ المنتہیٰ پر لے گئے، اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور پھل مٹکے کی طرح تھے، جب اس پر اللہ تعالے کے حکم سے کوئی چیز چھا جاتی تو وہ بدل جاتا، اس وقت اللہ کی کوئی مخلوق اس کے حسن وخوبصورتی کو بیان نہیں کرسکتی، اس وقت میرے اوپر وحی آئی جو وحی آئی، پھر اللہ تعالے نے میرے اوپر پچاس (۵۰) نمازیں فرض کیں، میں نیچے موسیٰ علیہ السلام کے پاس اترا تو مجھ سے پوچھا: آپ کے رب نے آپ کے اوپر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں، فرمایا: جائیے اپنے رب سے تخفیف کا مطالبہ کیجئے، آپ کی امت سے یہ نہیں ہوسکے گا، میں نے بنی اسرائیل کو خوب پرکھا اور آزمایا ہے، میں اپنے رب کے پاس گیا اور میں نے درخواست کی: اے میرے رب! میری امت پر تخفیف کردیجئے، اللہ تعالی نے

---

[1] یہ بہت مضبوط دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالے نے اپنے نبی محمد ﷺ سے شب اسراء میں براہ راست بات کی. (فتح الباری ۷/۲۱۶)



پانچ نمازیں کم کردیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور بتایا: پانچ کم کردیں، فرمایا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھ سکے گی، جائیے اور تخفیف کا مطالبہ کیجئے، میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا (یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں) پھر فرمایا: اے محمد! (ﷺ) یہ پانچ نمازیں ہیں روزانہ دن رات میں، ہر نماز پر دس کا ثواب ہے اسلئے پچاس (۵۰) ہوئیں، جو کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے اور نہ کرے اس کے لئے میں ایک نیکی لکھوں گا اور اگر کرے تو دس (۱۰) لکھوں گا، اور جو کوئی کسی برائی کا ارادہ کرے اور نہ کرے تو اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائیگا اور اگر کرے تو ایک برائی لکھی جائیگی.

فرمایا: پھر میں نیچے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو فرمایا: پھر جائیے اور تخفیف مانگئے، میں نے کہا میں (باربار) گیا اب شرم آتی ہے. (مسلم ۱/۹۱ باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات و فرض الصلوۃ)

بخاری میں دس دس کم کرنا مذکور ہے، مسلم میں پانچ پانچ، یہ تفصیل ہے اس کو قبول کیا جائیگا، اخیر میں پانچ باقی رہ جانے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے. واللہ اعلم

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے کو حطیم میں دیکھا قریش مجھ سے اسراء کے بارے میں پوچھ رہے تھے، بیت المقدس کے بارے میں ایسی باتیں پوچھ رہے تھے جو مجھے یاد نہیں تھیں، مجھے اس سے ایسا غم ہوا کہ کبھی ایسا غم نہیں ہوا، اللہ تعالی نے میرے سامنے اس کو ظاہر کردیا، میں اس کو دیکھ رہا تھا، جو بات پوچھتے میں ان کو بتادیتا. (بخاری ص ۵۴۸ و ۶۸۴ کے حوالہ سے بھی گزری ہے)

اور میں نے اپنے کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ ایک درمیانی قسم کے آدمی ہیں، جسم گٹھا ہوا ہے گویا کہ وہ قبیلہٗ شَنُوءہ کے آدمی ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے سب سے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے سب سے زیادہ مشابہ میں ہوں.

پھر نماز کا وقت ہوگیا، میں نے ان کی امامت کی، جب نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا: اے محمد (ﷺ): یہ مالک جہنم کے ذمہ دار ہیں ان کو سلام کیجئے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انھوں نے مجھ سے پہلے سلام کردیا. (مسلم ۹۶/۱ باب الاسراء)

سعید بن المسیبؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسراء کی رات میں' میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر ان کی صفت بیان کی، (راوی کہتے ہیں) میرا گمان ہے کہ فرمایا: درمیانی قسم کے آدمی تھے، انکے بال سیدھے دراز تھے گویا کہ شنوءۃ قبیلہ کے آدمی ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملا، انکی صفت بیان کی کہ وہ درمیانی قد کے آدمی ہیں، سرخ رنگ کے گویا کہ ابھی غسل خانہ سے نکل کر آئے ہیں،، اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور انکی اولاد میں' مَیں ان سے سب سے زیادہ مشابہ ہوں، میرے پاس دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ دوسرے میں شراب تھی، مجھ سے کہا گیا جو چاہیئے لے لیجئے، میں نے دودھ لے لیا اور اسکو پی لیا، (جبریل علیہ السلام نے) فرمایا: آپ نے فطرت کو لیا، اگر آپ شراب کو لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی . (مسلم ۹۵/۱ باب الاسراء برسول اللہ ﷺ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو جب سیر کرائی گئی تھی



تو آپ کو سِدرۃ المنتہی کے پاس لے جایا گیا، یہ چھٹیں آسمان پر ہے، نیچے کی باتیں وہاں تک جاتی ہیں، پھر وہاں سے لے لی جاتی ہیں، اور اوپر کی باتیں یہاں تک آتی ہیں اور یہاں سے لے لی جاتی ہیں، اِذ یَغشَی السِّدرۃَ ما یَغشی، فرمایا: سونے کے پروانے تھے .

فرمایا: آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں :

(۱)۔ پانچ نمازیں

(۲)۔ سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں

(۳)۔ اور یہ کہ آپکا امتی جو شرک نہ کرتا ہو اسکے بڑے گناہ (بھی ایک دن) معاف کردیئے جائیں گے. (مسلم ص۹۷ باب معنی قول اللہ تعالیٰ: ولقد رآہ نزلۃ اخری)

مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے، سزا بھگت کر نکل جائیں گے یا یہ کہ بعض امتی بڑے گناہ کے باوجود بعض نیکیوں کی وجہ سے یا کسی کی شفاعت کی وجہ سے جہنم سے بچ جائیں گے . (نووی معناً)

## سدرۃ المنتہی کہاں ہے ؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ آیا کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان میں ہے، اس سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات میں آیا کہ سدرۃ المنتہی ساتویں آسمان کے اوپر ہے .

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ساتویں میں ہونا زیادہ صحیح ہے اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہے، منتہی کا معنی بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ اخیر میں ہو، امام نوویؒ اس کو ذکر کر کے

فرماتے ہیں کہ دونوں کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ کہا جائے: اس کی جڑ چھٹے میں ہے اور اس کا اکثر حصہ ساتویں میں ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بہت بڑا ہے، خلیلؒ نے فرمایا کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے، آسمانوں اور جنت کو سایہ کئے ہوئے ہے۔ (نووی ص ۹۷)

سِدرۃ کے معنی بیری کے ہیں جو ایک پھل ہے، مگر اس کے پھل دنیا کے پھل کی طرح نہیں ہیں، پھل بہت بڑے اور پتّے بھی بہت بڑے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے: ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور میرے لئے سدرۃ المنتہی پیش کیا گیا، اس کے پھل ہَجَر (ایک شہر کا نام ہے) کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے گویا کہ ہاتھی کے کان ہیں، اس کی جڑ میں چار نہریں ہیں: دو ظاہری، دو باطنی، میں نے جبریل سے پوچھا تو فرمایا: دو باطنی نہریں جنت کی ہیں (وہ سلسبیل اور کوثر ہیں ۱۲ عینی) اور دو ظاہری نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق کی نہر اور نیل مصر کی نہر ہے)، پھر میرے اوپر پچاس (۵۰) نمازیں فرض کی گئیں۔ (بخاری ۱/۴۵۶ باب ذکر الملئکۃ)

وہیں بیت المعمور بھی پیش ہوا جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر اخیر تک کبھی نہیں داخل ہو سکیں گے، پھر تین برتن پیش کئے گئے: ایک شراب کا، دوسرا دودھ کا، تیسرا شہد کا، میں نے دودھ کا پیالہ لیا (اور پی لیا)، جبریل نے فرمایا: آپنے فطرت کو لیا جس پر آپ اور آپکی امت ہے۔ (بخاری ایضا و ۱/۵۴۹ باب المعراج)

اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، آئندہ ہونے والی تھی، اسلئے فرمایا: اگر



آپ شراب کو لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (مسلم ۱/۹۵)

لیکن شہد کے بارے میں کیا کہا جائیگا؟ یہ تو پاک بابرکت اور شفاء ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کو حلوا اور شہد دونوں محبوب تھے، **كان يعجبه الحلواء و العسل.** (۲/۸۴۰)

آگے آرہا ہے کہ اس میں سے بھی کچھ پیا، ابن کثیر نے بیہقی کی دلائل النبوۃ سے ایک حدیث ذکر کی جس کو ابن جریر طبری نے بھی ذکر کیا ہے، عبداللہ بن وھب کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ کے سامنے تین چیزیں پیش کی گئیں، شراب، پانی اور دودھ، آپ نے دودھ کو لیا تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا آپ نے فطرت کو لیا، اگر پانی پی لیتے تو آپ بھی غرق ہو جاتے اور آپ کی امت بھی، اگر شراب پی لیتے تو آپ بھی گمراہ ہو جاتے اور آپ کی امت بھی، ابن کثیر فرماتے ہیں: اس کے بعض الفاظ میں نکارت اور غرابت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ سورۂ اسراء)

حضرت تھانویؒ نشر الطیب میں لکھتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو برتن پیش کئے گئے وہ چار تھے: دودھ، شہد، خمر اور پانی، کسی نے دو کے ذکر پر اکتفاء کیا کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالہ میں پانی ہو، شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہدیا گیا ہو کبھی پانی، اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہیں تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی مگر سامان نشاط ضرور ہے، اسلئے مشابہ دنیا کے ہے، شہد بھی اکثر تلذذ کیلئے پیا جاتا ہے، غذا کیلئے نہیں، تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا، اور پانی بھی معین غذا ہے، غذا نہیں، جس طرح دنیا معین

دین ہے، مقصود نہیں، اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے، اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے. اھ (معراج کی باتیں مولانا عاشق الٰہیؒ ص ۴۶)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری باب المعراج کی شرح میں (**هى الفطرة التى أنت عليها**) کے تحت لکھتے ہیں: فطرت سے مراد دین اسلام ہے، قرطبی نے فرمایا: ہوسکتا ہے دودھ کو فطرت اسلئے کہا ہو کہ یہ پہلی چیز ہے جو بچے کے پیٹ میں جاتی ہے اور اس کی آنتوں کو کھولتی ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، اسلئے فطری طور پر فطرت اسلامی اور بچہ کی ابتدائی فطری غذا میں ایک مناسبت ہوئی. فضل)، آنحضورﷺ دودھ کی طرف مائل ہوئے دوسری کسی چیز کی طرف نہیں، اسلئے کہ پہلے سے اس سے الفت تھی اور اس جنس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی. (فتح الباری ۷/۲۱۵)

## (تین برتنوں کی پیشی سدرۃ المنتہی پہونچنے کے بعد ہوئی یا بیت المقدس میں)؟ اس بارے میں روایتوں میں اختلاف ہے

اِس روایت میں جو قتادہ عن انس عن مالک بن صصعہ مروی ہے یہ مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہی پہونچ کر یہ برتن پیش ہوئے، کتاب الاشربہ میں شعبہ عن قتادہ عن انس بھی ایسا ہی مذکور ہے کہ میرے سامنے سدرۃ المنتہی پیش ہوا، اور چار نہریں اور تین پیالے لبن، عسل اور خمر کے. (بخاری ۸۳۹/۲) لیکن شعبہ نے سند میں مالک بن صصعہ کا نام نہیں لیا.



حافظ لکھتے ہیں: ابوھریرہ کی حدیث ابن عائذ نے معراج کے بارے میں ذکر کی اس میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد یہ مذکور ہے کہ ہم آگے چلے تو تین برتن ڈھکے ہوئے نظر آئے، جبریل نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ) آپ اس میں سے نہیں پیتے جو آپ کے رب نے آپ کو پلایا؟ میں نے ایک برتن لیا جو شہد کا تھا اس میں سے تھوڑا سا پیا پھر دوسرا لیا جو دودھ کا تھا اور پیا یہاں تک کہ سیراب ہوگیا، جبریل نے کہا: تیسرے میں سے نہیں پیتے؟ میں نے کہا: میں سیراب ہوگیا، فرمایا: اللہ تعالے نے آپ کو توفیق دی، بزّار میں اسی سند سے حدیث آئی ہے، اس میں یہ ہے کہ تیسرا برتن شراب کا تھا، لیکن اس میں یہ ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس کا ہے، اور پہلا برتن پانی کا تھا، اس میں شہد کا ذکر نہیں.

مسند احمد میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ جب مسجد اقصی پہونچے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، جب فارغ ہوئے تو دو پیالے لائے گئے، ایک دودھ کا دوسرا شہد کا، آپ نے دودھ کو لیا، مسلم میں ثابت عن انس کی روایت میں بھی بیت المقدس میں دو برتنوں کا ذکر ہے، دودھ اور شراب کا، شداد بن اوس کی حدیث میں ہے کہ میں نے مسجد میں نماز پڑھی جہاں اللہ تعالے نے چاہا، اور مجھے بہت سخت پیاس لگی تو دو برتن لائے گئے، دودھ اور شہد، میں نے دونوں کو برابر سمجھا، پھر اللہ تعالے نے میری رہنمائی فرمائی تو میں نے دودھ کو لیا، ایک شیخ نے جبریل سے کہا: آپ کے ساتھی نے فطرت کو لیا، ابوسعید خدری کی حدیث ابن اسحاق کے یہاں اسراء کے قصہ میں ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی، پھر آپ کے پاس تین برتن لائے گئے، دودھ، شراب، اور پانی کے، آپ نے دودھ کو لیا، حسن کی

مرسل روایت بھی ان کے یہاں اسی مضمون کی ہے اس میں پانی کا برتن مذکور نہیں ، سعید بن مسیّب کی حدیث بخاری کتاب الاشربہ کے شروع میں اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایلیاء (بیت المقدس) میں اسراء کی رات ایک برتن لایا گیا جس میں شراب تھی، دوسرے میں دودھ، آپ نے دونوں کو دیکھا پھر دودھ کو لیا، جبریل علیہ السلام نے فرمایا: شکر ہے اللہ تعالے کا جس نے آپ کو فطرت کی طرف راستہ دیا، اگر شراب کو لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی. (بخاری ٢/٨٣٦)
یہ حدیث مسلم میں بھی ہے (١/٩٥)، (اس میں ایلیاء کا ذکر نہیں ہے. ١٢ فضل)

(مترجم کہتا ہے یہ حدیث بخاری ٢/٦٨٤ تفسیر سورۂ اسراء میں بھی اسی طرح ہے، ایلیاء کے لفظ کے ساتھ، اور ١/٤٨١ و ١/٤٨٩ پر بھی ہے لیکن ان دونوں جگہوں پر ایلیاء کا لفظ نہیں. ١٢ فضل)

عبدالرحمٰن بن ھاشم بن عتبہ کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیہقی میں ہے، اس میں پانی، شراب اور دودھ کا ذکر ہے، آپ نے دودھ کو لیا تو جبریل نے فرمایا: آپ نے فطرت کو لیا، اگر پانی پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہوجاتی ، شراب پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت گمراہ ہوجاتی .

اس اختلاف کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ ثم کو ترتیب کیلئے نہ مانا جائے بلکہ واو کے معنی میں لیا جائے (یعنی یہ سب کچھ اس سفر میں پیش آیا، آگے پیچھے کی ترتیب مقصود نہیں) یا یوں کہا جائے کہ برتن دو دفعہ پیش کئے گئے، ایک بیت المقدس میں نماز کے بعد پیاس کی وجہ سے، اور دوسری دفعہ سدرۃ المنتہی پہونچنے اور چار نہروں کے دیکھنے کے وقت .



برتنوں کی تعداد میں اختلاف اس طرح دور کرلیا جائے کہ بعض راویوں نے بعض کو ذکر کیا اور دوسرے بعض راویوں نے دوسرے بعض کو، کل چار برتن تھے، جن میں چار چیزیں تھیں چار نہروں کی جو سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکل رہی تھیں.

طبری میں ابوھریرہ کی حدیث میں سدرۃ المنتہی کے ذکر کے وقت یہ مذکور ہے کہ اس کی اصل سے چار نہریں نکلتی ہیں، پانی کی جو بدلنے والا نہیں، دودھ کی جس کے مزے میں تغیر نہیں ہوگا، شراب کی جو پینے والوں کیلئے لذیذ ہے، اور صاف شفاف شہد کی، تو شاید آپ پر ہر نہر سے ایک برتن پیش ہوا ہو.

کعب احبار سے منقول ہے کہ شہد کی نہر دریائے نیل ہے، اور دودھ کی نہر دریائے جیحان ہے اور خمر کی نہر دریائے فرات ہے اور پانی کی نہر دریائے سیحان ہے.
واللہ اعلم (یہاں تک فتح الباری کی بات ختم ہوئی ٧/٢١٦)

## شب اسراء میں نمازوں کے فرض ہونے کی حکمت

شب اسراء میں نمازوں کے فرض ہونے کی حکمت حافظ ابن حجر نے یہ بیان کی:
جب آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ نے اس رات میں دیکھا کہ فرشتے عبادت کررہے ہیں، کوئی کھڑا ہے بیٹھتا نہیں، کوئی رکوع میں ہے سجدہ میں نہیں جاتا، کوئی سجدہ میں ہے بیٹھتا نہیں، تو اللہ تعالے نے آپ کیلئے اور آپ کی امت کیلئے ان سب عبادات کو ایک رکعت میں جمع کردیا، کہ بندے اس کو اس کے شرائط، اطمینان اور اخلاص کے ساتھ ادا کریں گے، ابن ابی جمرہؒ نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا اور

فرمایا: کہ اسراء کی رات میں نمازوں کے فرض کرنے سے اشارہ ہے کہ یہ بڑی عبادت ہے، اسلئے اس کو بغیر واسطہ کے فرض کیا بلکہ بار بار مراجعت کے بعد، جیسا کہ روایتوں میں گزرا. (فتح الباری ۷/ ۲۱۶)

## انھار کی کچھ تفصیل:

بخاری اور مسلم میں آیا کہ سدرۃ المنتھی کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں، دو باطنی ہیں، دو ظاہری، دو باطنی جنت کی نہریں ہیں اور دو ظاہری، نیل وفرات ہیں. (بخاری ۱/۴۵۶ ومسلم ۱/۱۹۴)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ابن ابی جمرہ (صوفی) نے لکھا کہ اس سے معلوم ہوا کہ باطن ظاہر سے اونچا ہے کہ باطن کو دار البقاء میں رکھا گیا اور ظاہر کو دار الفناء میں، اسی لئے باطن کا اعتبار ہوتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالے تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے قلوب کو دیکھتے ہیں. اھ (مسلم ۲/ ۳۱۷ فضل)

مسلم شریف میں آیا ہے کہ چار نہریں جنت کی ہیں: نیل، فرات، سیحان اور جیحان. (۲/ ۳۸۰)

تو ہوسکتا ہے کہ سدرۃ المنتھی جنت میں گڑا ہوا ہے اور یہ نہریں اس کی جڑ سے نکلتی ہیں تو یہ کہنا صحیح ہے: یہ جنت کی نہریں ہیں. (فتح الباری ۷/۴-۲۱۳)

ابن دحیہ (عمر بن الحسن ابو الخطاب اندلسی م ۶۳۳ھ) فرماتے ہیں: سدرۃ المنتھی کو اختیار کیا گیا، اسلئے کہ اس میں تین باتیں ہیں: پھیلا ہوا سایہ، لذیذ کھانا، پاکیزہ



خوشبو، تو یہ درخت ایمان کی طرح ہوا جو جامع ہے قول، عمل اور نیت کو، سایہ عمل کے درجہ میں ہے اور مزہ نیت کے درجہ میں اور خوشبو قول کے درجہ میں. (ایضا ۷/۲۱۳)

**و أما الظاهران فالنيل و الفرات**: کے ذیل میں حافظ لکھتے ہیں: شریک بن ابی نمرہ کی روایت میں جو کتاب التوحید ۲/۱۱۲۰ میں حضرت انسؓ سے مذکور ہے (اگرچہ اس میں بہت کلام ہے ۱۲فضل) یہ آیا ہے کہ آپ ﷺ نے قریبی آسمان میں دو بہتی ہوئی نہریں دیکھیں، جبریل نے فرمایا: یہ نہریں نیل وفرات ان کا عنصر (مادہ) ہیں، ابن دحیہ نے ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا کہ یہ نہریں آپ نے جنت کی دونوں نہروں کے ساتھ سدرۃ المنتھی کے پاس دیکھیں اور سماء دنیا میں صرف نیل وفرات دیکھیں جنت کی نہریں نہیں، اور عنصر سے مراد یہ ہے کہ سماء دنیا کے ساتھ وہ خاص ہیں. (فتح الباری ۷/۲۱۴)

ابن دحیہ نے اپنی کتاب (**الابتهاج في أحاديث المعراج**) میں اس کی دو تاویلیں کیں: ایک وہی جس کو حافظ نے ذکر کیا، ابن دحیہ لکھتے ہیں: یہ دو نہریں (نیل وفرات) سماء دنیا میں نظر آئیں، جنت کی نہریں نہیں، تو ان دونوں نہروں کو سماء دنیا کے ساتھ اختصاص ہوا، اسی اختصاص کو عنصر کہد یا اور ان چاروں نہروں کی ایک جڑ ہو سدرۃ المنتھی کے پاس اس میں کوئی استحالہ نہیں.

دوسری یہ کہ شریک کی روایت کا لفظ (**هذا النيل و الفرات عنصرهما**) میں عنصرهما مبتدا ہو، اور اس کی خبر گزر چکی لیکن لفظا نہیں بلکہ معنیً، اس طرح کہ هذا النيل والفرات کلام تام ہو گیا، پھر عنصرهما مبتدا اسکی خبر محذوف ہے جو کلام سابق سے معلوم ہوئی، تقدیر عبارت یوں ہوگی: **عنصرهما ما كنتَ رأيتَ عند سدرة**

**المنتھی یا محمد** ،خبر پہلے معلوم ہوچکی اسلئے اسکوذکرنہیں کیا، یہ بھی صحیح توجیہ ہے، اسلئے دونوں حدیثیں جمع ہوگئیں ان میں کوئی تعارض وتناقض نہیں ہوا. (الابتھاج ۱۵۰)

حافظ لکھتے ہیں: شریک کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جبریل آپ کولیکراوپر چڑھتے ہیں تو وہاں ایک دوسری نہر ہے جس پر موتی اور زبرجد کے محل ہیں، اس میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو خوشبودار مشک ہے، آپ نے جبریل سے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کیلئے چھپارکھا ہے.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث یزید بن ابی مالک کی روایت سے ابن ابی حاتم کے یہاں اس طرح آئی ہے: ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد فرمایا: پھر مجھے ساتویں آسمان کی پشت پرلیکر چلے یہانتک کہ اس نہر کے پاس پہونچے اس پر موتی، یاقوت اور زبرجد کے خیمے ہیں، اس پر سبز رنگ کے پرندے ہیں بہت مزے دار، جبریل نے فرمایا یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالے نے آپ کو دیا ہے، اس میں سونے چاندی کے برتن ہیں، وہ نہر یاقوت اور زمرّد کی چھوٹی کنکریوں پر بہ رہی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، ایک برتن لیکر اس پانی کو پیا تو شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: وہاں ایک چشمہ بہ رہا تھا، اسکو سلسبیل کہا جاتا ہے، اس سے دو نہریں نکلتی ہیں، ایک کوثر ہے اور دوسری کو رحمت کی نہر کہتے ہیں. اھ

میں کہتا ہوں (حافظ) کہ حدیث باب میں جن دو باطنی نہروں کا ذکر ہے اس



سے اِن دونوں نہروں کو مراد لے سکتے ہیں، مقاتلؒ سے ایسا مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ باطنی دونوں نہریں سلسبیل اور کوثر ہیں.

مسلم (۲/۳۸۰) کی حدیث میں جو آیا ہے کہ سیحان، جیحان، نیل اور فرات جنت کی نہروں میں سے ہیں، تو یہ اس کے خلاف نہیں، اسلئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں چار نہریں ایسی ہیں کہ ان کی اصل جنت سے ہے، اور حدیث باب میں جو دو باطنی نہریں مذکور ہیں وہ سیحون اور جیحون کے سوا ہیں، تو یہ نہیں ثابت ہوا کہ سیحون اور جیحون سدرۃ المنتھی کی جڑ سے نکلتی ہیں، نیل وفرات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سدرۃ المنتھی کی جڑ سے نکلتی ہیں. واللہ اعلم (فتح الباری ۷/۲۱۴)

فتح الباری میں اسی طرح سیحون اور جیحون چھپا ہوا، بظاہر سیحان اور جیحان ہونا چاہئے اسلئے کہ جیحون اور سیحون الگ دو نہریں ہیں، دیکھئے مسلم ۲/۳۸۰ اور اسکی شرح امام نووی.

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ ہے کہ نیل وفرات کی اصل جنت سے ہے، یہ سدرۃ المنتھی کی جڑ سے نکلتی ہیں، پھر اللہ تعالی جہاں چاہتے ہیں وہاں جاتی ہیں، پھر زمین پر آتی ہیں اور بہتی ہیں، اور یہاں سے نکل جاتی ہیں، یہ عقل کے خلاف نہیں، ظاہر حدیث اسی کو بتاتا ہے، اسلئے اس کو ماننا چاہئے.

قاضی عیاض نے فرمایا: اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ سدرۃ المنتھی کی جڑ زمین میں ہے اسلئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ نیل وفرات سدرۃ المنتھی کی جڑ سے نکلتی ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں زمین سے نکلتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سدرۃ کی اصل زمین میں ہے. اھ قاضی عیاض کی یہ بات ضروری نہیں کہ صحیح ہو، اسلئے اس کو نہیں مانیں گے، سدرۃ کی جڑ سے نکلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیسے زمین سے جوش مار کر

پانی نکلتا ہے اس طرح سدرۃ سے نکلتی ہیں .

حاصل یہ کہ ان کی اصلیت جنت میں ہے، اولاً وہ سدرہ کی جڑ سے نکلتی ہیں پھر چلتی ہیں ، یہاں تک کہ زمین میں ٹھہرتی ہیں ، پھر زمین سے جوش مار کر نکلتی ہیں .

اس سے یہ بھی کہا گیا کہ نیل وفرات کا پانی فضیلت والا ہے اسلئے کہ یہ دونوں جنت سے نکلتی ہیں ، ایسا ہی سیحان اور جیحان بھی .

قرطبی نے فرمایا: اسراء کی حدیث میں سیحان اور جیحان کا ذکر نہیں، شاید اسلئے کہ یہ اصل نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ نیل وفرات سے نکلتی ہوں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نہریں جنت کی نہریں اسلئے کہلاتی ہیں کہ انکا پانی جنت کی نہروں کے مشابہ ہیں، ویسا ہی خوب شیریں، خوبصورت اور برکت والا، لیکن پہلا قول بہتر ہے . واللہ اعلم (فتح الباری ۷/۲۱۴)

## سدرۃ المنتہی کی کچھ تفصیل

یہ ساتویں آسمان کے اوپر بیری کا ایک درخت ہے، اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح ہیں، اور پھل ہَجَر کے مٹکوں کی طرح. (بخاری ۱/۵۴۹ ومسلم ۱/۹۱)

یہ ایک تمثیل ہے سمجھانے کیلئے، اس کی حقیقت اللہ تعالے کو معلوم ہے. (مرقاۃ)

حضرت ابن مسعودؓ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ چھٹے آسمان میں ہے (مسلم ۱/۹۷ ونسائی وغیرہما)

امام نووی فرماتے ہیں کہ مسلم کے نسخوں میں ایسا ہی ہے: السادسة، چھٹے آسمان میں، حضرت انسؓ کی روایتوں میں گزر چکا ہے کہ یہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے،



قاضی نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے اور اکثر لوگوں کا قول ہے، اور منتہی کے لفظ کے معنی اور اس نام سے موسوم ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے .اھ

میں کہتا ہوں (نووی) کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہو اور اس کا اکثر حصہ ساتویں میں ہو، کیونکہ معلوم ہے کہ یہ درخت بہت بڑا ہے، امام خلیل نے فرمایا کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے، اس کا سایہ آسمانوں اور جنت پر ہے .اھ

ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ زمین سے جو باتیں جاتی ہیں وہ یہاں تک پہونچتی ہیں پھر یہاں سے لے لی جاتی ہیں اور اوپر سے جو باتیں آتی ہیں وہ یہاں تک پہونچتی ہیں پھر یہاں سے لے لی جاتی ہیں، **اذ يَغشَى السِّدرةَ ما يَغشى** ، یہ سونے کے پروانے تھے. (مسلم ۱/۹۷ باب الاسراء)

ابن عباس اور مفسرین نے فرمایا: سدرۃ المنتہی اسلئے کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کا علم یہیں تک پہونچتا ہے، آنحضور ﷺ کے سوا کوئی اس سے آگے نہیں گیا. (نووی شرح مسلم ۱/۹۲)

آنحضور ﷺ نے فرمایا: ان پر ایسے رنگ چھا رہے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کیا تھے پھر اس کے بعد مجھے جنت میں داخل کیا گیا، وہاں موتی کے گنبد اور مشک کی مٹی تھی . (بخاری ۱/۵۱ و۴۷۱)

مسلم باب الاسراء میں حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ جب اس پر اللہ تعالے کا حکم آتا ہے جو آتا ہے تو وہ ایسا بدل جاتا ہے کہ اللہ تعالے کی کوئی مخلوق اس کے حسن وخوبی کو بیان نہیں کرسکتی، اس وقت اللہ تعالے نے میرے اوپر وحی بھیجی جو بھیجی اور میرے اوپر پچاس نمازیں دن رات میں فرض کیں. (مسلم ۱/۹۱)

ترمذی میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہی کا تذکرہ فرمایا تو فرمایا: اسکی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو (۱۰۰) سال تک چل سکتا ہے یا یہ فرمایا کہ سو (۱۰۰) سوار سایہ لے سکتے ہیں، یحی راوی کو شک ہے، اس میں سونے کے پروانے ہیں، اس کے پھل مٹکے کی طرح ہیں، ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے. (ترمذی ۸۰/۲ باب ما جاء فی ثمار الجنة)

ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ ابوجعفر رازی نے ابوہریرہ یا کسی اور سے نقل کیا کہ آنحضور ﷺ کو سیر کرائی گئی تو سدرہ تک پہونچے، آپ سے کہا گیا کہ یہ سدرہ ہے، اس پر اللہ تعالی کا نور چھا رہا تھا، اور فرشتے کوّوں کی طرح اس پر چھا رہے تھے جیسے درخت پر پڑتے ہیں، فرمایا: پھر اس وقت اللہ تعالے نے بات کی، فرمایا: مانگئے.
(تفسیر ابن کثیر ۳۹۱/۴ سورۂ نجم)

نیز لکھتے ہیں: ابن ابی نجیح نے مجاہد سے نقل کیا: اذ یَغشَی السِّدرةَ ما یَغشی ، پھر فرمایا: سدرہ کی شاخیں موتی، یاقوت اور زبرجد تھیں، محمد ﷺ نے ان کو دیکھا اور اپنے رب کو بھی اپنے دل سے دیکھا.

ابن زید فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ اس سدرہ پر کیا چیز آپ نے چھاتے ہوئے دیکھی؟ فرمایا: میں نے دیکھا کہ سونے کے پروانے ہیں اور ہر پتہ پر ایک فرشتہ کھڑا اللہ تعالے شانہ کی تسبیح پڑھ رہا ہے.
(ایضا ۳۹۲/۴)

ابن کثیر نے ابوجعفر رازی کی روایت کو بہت تفصیل کے ساتھ سورۂ اسراء کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور اخیر میں لکھا ہے کہ حافظ ابوزرعہ رازی نے ان کے بارے



میں فرمایا ہے کہ ان کو بہت وہم ہوتا ہے، اور کئی ایک نے ان کی تضعیف کی ہے، بعض نے توثیق بھی کی ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ سیء الحفظ تھے، لہذا جس روایت میں وہ اکیلے ہوں گے اس میں نظر ہوگی، اس حدیث کے بعض الفاظ میں غرابت اور شدید نکارت ہے. (تفسیر ابن کثیر ۳۵/۳)

اسی روایت میں سدرۃ المنتہی سے متعلق یہ ہے کہ پھر آپ ﷺ (ساتویں آسمان پر) سدرہ کے پاس پہونچے، آپ سے کہا گیا: یہ سدرہ ہے، یہاں آکر سب لوگ رک جاتے ہیں، سوائے آپ کی امت کے جو آپ کے طریقہ پر ہو، دیکھا تو یہ ایک درخت ہے جس کی جڑ سے نہریں نکل رہی ہیں، نہریں ایسے پانی کی جو تبدیل نہیں ہوتا، نہریں ایسے دودھ کی جس میں تغیر نہیں آتا، شراب کی نہریں جو پینے والوں کیلئے لذیذ ہے، اور صاف شفاف شہد کی نہریں، یہ ایسا درخت ہے جس کے سایہ میں سوار ستر (۷۰) سال تک چلے گا پھر بھی اس کو قطع نہیں کر سکے گا، اس کا ایک پتہ پوری امت کو ڈھک سکتا ہے.

فرمایا: اس پر خلّاق عزوجل کا نور چھا رہا تھا، فرشتے اس پر کوّوں کی طرح چھا رہے تھے جب وہ درختوں پر آتے ہیں، اللہ تعالے سے محبت کی وجہ سے، لوگوں نے کہا: اس وقت اللہ تعالے نے آپ سے بات کی اور فرمایا: مانگئے.

آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور انکو بڑی بادشاہت دی، موسی علیہ السلام سے بات کی، داود علیہ السلام کو بڑی بادشاہت دی، لوہا ان کے لئے نرم کیا، پہاڑ مسخر کئے، سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت دی، انسان، جنات اور شیاطین مسخر کئے، ہوائیں بھی ان کے تابع تھیں، ان کو ایسی بادشاہت دی کہ ان کے بعد کسی

کیلئے مناسب نہیں، عیسی علیہ السلام کو تورات وانجیل سکھائی، اور ان کو ایسا بنایا کہ نابینا اور برص والے کو اچھا کردیتے تھے، مُردوں کو آپ کے حکم سے اچھا کردیتے تھے، ان کو اور ان کی ماں کو شیطان رجیم سے بچایا، شیطان کو ان پر کوئی تسلط نہیں تھا.

تو اللہ تعالے نے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا: تورات میں آپ کو حبیب الرحمٰن لکھا گیا ہے، آپ کو تمام انسانوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا، آپ کے سینے کو کھول دیا، آپ کے بوجھ کو اتار دیا، آپ کا ذکر بلند کردیا، جہاں میرا ذکر وہاں آپ کا ذکر بھی ہوتا ہے، آپ کی امت کو بہترین امت بنایا ہے جو لوگوں کے فائدہ کیلئے نکالی گئی ہے، اسکو امت وسط بنایا ہے، آپ کی امت اولین بھی ہے آخرین بھی، آپ کی امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک اس میں یہ گواہی نہ ہو کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، آپ کی امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے دل انجیل ہیں، اور آپ نبیوں میں سب سے پہلے پیدا ہوئے اور سب سے اخیر میں مبعوث ہوئے، اور سب سے پہلے آپ کیلئے فیصلہ ہوگا، آپ کو سات آیتوں والی سورت دی، جو بار بار پڑھی جاتی ہے، کسی اور کو نہیں دی، آپ کو سورۂ توبہ کے آخر کی آیتیں دیں عرش کے خزانہ کے نیچے سے، آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیں، آپ کو حوض کوثر دیا، آپ کو آٹھ حصے دیئے: اسلام، ہجرت، جہاد، صلوۃ، صوم، رمضان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، آپ کو فاتح اور خاتم بھی بنایا.

آپ ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے چھ چیزوں سے فضیلت دی، کلام کے فواتح اور خواتم، جوامع الحدیث، تمام لوگوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا، میرے دشمنوں کے دل میں ایک مہینہ کی مسافت سے رعب ڈالا، مال غنیمت کو حلال قرار دیا،



مجھ سے قبل کسی کیلئے حلال نہیں ہوا، میرے لئے ساری زمین مسجد اور مُطہّر بنائی گئی، فرمایا: اور آپ پر پچاس (۵۰) نمازیں فرض کیں. (تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء ۳/۳۴)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں ایک حدیث ذکر کی، جسکا مفہوم یہ ہے: میں سدرہ المنتہی کے پاس پہونچا تو مجھے بادل کی طرح کی کسی چیز نے گھیر لیا، میں اس کیلئے سجدہ میں گر پڑا، یہ بدلی کی طرح کی چیز ظلل من الغمام ہے جس میں اللہ تعالے آئیں گے اور تجلی فرمائیں گے. (معارف القرآن سورۂ نجم ۸/۲۰۴)

عربی عبارت یہ ہے: **و أتیتُ سدرةَ المنتهی، فغَشِیَتْنی ضبابةٌ خَررتُ لها ساجداً، و هذه الضبابةُ هی الظُلَل مِنَ الغَمامِ الّتی یَأتی فیها اللّٰهُ و یَتجلّی.**

اس میں قرآن کریم کی آیت: **هل یَنظُرون الّا أن یأتیَهم اللّٰهُ فی ظُلل من الغَمامِ والملئكةُ وقُضِیَ الأمرُ والی اللّٰه تُرجعُ الأمور.** (البقرہ، آیت ۲۱۰) کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے: وہ نہیں انتظار کرتے ہیں مگر اس بات کا کہ اللہ تعالے انکے پاس بدلی کے سائبانوں میں آئیں اور فرشتے آئیں اور فیصلہ ہوجائے اور اللہ تعالی ہی کی طرف سارے فیصلے لوٹائے جاتے ہیں.

**تنبیہ**: حدیث صرف یہ ہے: **و أتیتُ سدرةَ المنتهی فغشِیَتنی ضبابةٌ خرَرتُ لها ساجداً.** (نسائی صغری ۱/۸۷ کتاب الصلوۃ)، اسکو نقل کرکے علامہ کشمیریؒ نے لکھا: **هذه الضبابةُ هی الظُلل من الغمام التی یأتی فیها اللّٰه و یتجلّی.** (فتح الملہم ۲/۴۱۲ طبع جدید کراچی)، مفتی صاحبؒ نے اس پوری عبارت کو حدیث کی طرح لکھ دیا، اگرچہ ترجمہ میں کچھ اضافہ کرکے قرآن کی آیت کی طرف اشارہ کیا، **فلیُتنبه**

قرآن کریم میں سورۂ نجم کی آیات: **ولقد رآه نزلةً أخرى ، عند سدرةِ المُنتهى ، عندها جنةُ المأوى** سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کے پاس ہی جنت الماٗوی ہے، اسلئے اس کے بعد آپ کو جنت میں داخل کیا گیا.

امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث اسراء سے متعلق ذکر کی ہے، اس میں یہ مضمون آیا ہے کہ بیت المعمور کے بعد مجھے سدرۃ المنتہی کی طرف اٹھایا گیا، اس کا ہر پتہ قریب ہے کہ پوری امت کو ڈھانک لے اور اس میں ایک چشمہ ہے، اس کو سلسبیل کہا جاتا ہے، اس سے نہریں نکلتی ہیں، ایک کوثر دوسری کو نہر رحمت کہتے ہیں، میں نے اس میں غسل کیا تو اگلے پچھلے سارے ذنوب معاف ہوگئے.

پھر مجھے جنت کی طرف اٹھایا گیا، وہاں ایک باندی میرے سامنے آئی، میں نے اس سے کہا: تو کس کی ہے؟ اس نے کہا: زید بن حارثہ کی، وہاں نہریں ہیں نہ بدلنے والے پانی کی اور نہریں ہیں ایسے دودھ کی جسکا مزہ بدلے گا نہیں، اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کیلئے مزیدار ہیں، اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں، جنت کے انار ڈول کی طرح بڑے بڑے ہیں، پرندے تمہارے بختی اونٹ کی طرح ہیں، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا: اللہ تعالے نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل پر اس کا خطرہ نہیں گزرا (یہ ان نعمتوں کے سوا ہیں جن کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے، **بله ما أطلِعتُم عليه.** (بخاری ۲/۷۰۴ و مسلم ۲/۳۷۸)، فرمایا: پھر مجھ پر جہنم پیش ہوئی، اس میں اللہ تعالے کا غضب اس کی ڈانٹ اور اس



کا عذاب ہے، اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو اسکو کھا جائے، پھر جہنم بند کردی گئی. (ابن کثیر تفسیر سورۂ اسراء ۳/۲۲)

اس میں ایک راوی عمارۃ بن جوین ابوھارون عبدی ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں: کہ یہ راوی ائمہ کے یہاں ضعیف ہے، اور اس روایت میں غرابت اور نکارت ہے، ہم نے یہاں اسلئے ذکر کردیا کہ اس میں دوسری حدیثوں کیلئے کچھ تائیدات ہیں. (ایضا ۳/۲۳)

## (رؤیت باری تعالی فی المعراج)

معراج میں آنحضور ﷺ نے اللہ تعالی کو دیکھا یا نہیں، اگر دیکھا تو دل سے دیکھا یا سَر کی آنکھ سے بھی دیکھا، اس میں صحابہ کرام اور بعد کے لوگوں میں اختلاف رہا ہے، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ صرف جبریل علیہ السلام کو دیکھا اللہ تعالے کو نہیں دیکھا، ان دونوں کی موافقت کچھ اور علماء نے بھی کی ہے.

بخاری میں ہے: مسروق فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: اے ماں! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: تمہاری بات سے میرے جسم کے بال کھڑے ہوگئے، تین باتیں صحیح نہیں، جو کہتا ہے غلط کہتا ہے:

(ا)۔ جس نے تم سے کہا کہ محمد ﷺ نے (معراج میں) اپنے رب کو دیکھا اس نے غلط کہا، پھر آیت کریمہ پڑھی: **لا تُدرکه الأبصار وهو يُدرک الأبصار وهو**

اللطیف الخبیر، وما کان لبشر أن یُکلّمه اللّٰه الا وَحْیاً أو مِن وراءِ حجاب (۲)۔ اور جو کہے کہ نبی ﷺ کل کی بات جانتے ہیں وہ بھی غلط کہہ رہا ہے، پھر تلاوت کیا: و ما تَدری نفسٌ ماذا تکسِب غداً.

(۳)۔اور جو یہ کہے کہ آپ نے (جس چیز کی تبلیغ کا حکم دیا گیا اس میں سے کچھ) چھپایا اس نے بھی غلط کہا، پھر پڑھا: یٰأیھا الرسولُ بلّغ ما أنزلَ الیک من ربّک الآیۃ، لیکن آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی (اصلی) صورت میں دو دفعہ دیکھا، (جب کہ ان کے چھ سو بازو تھے)۔ (بخاری سورۂ نجم ۲/۷۲۰)

یہ روایت اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی عن مسروق ہے۔

مسلم میں داود عن الشعبی عن مسروق روایت اس طرح ہے: مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے یہاں ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، فرمایا: اے ابو عائشہ (مسروق کی کنیت): تین باتیں جو بولتا ہے وہ اللہ تعالی پر بہت بڑا جھوٹ بولتا ہے، میں نے پوچھا وہ تین باتیں کیا ہیں؟ فرمایا: جو کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا وہ اللہ تعالی پر جھوٹ بولتا ہے، مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، (سیدھا) بیٹھ گیا، اور کہا ام المؤمنین! مجھے ذرا مہلت دیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ تعالی نے نہیں فرمایا: و لقد رآہ بالأفق المبین، و لقد رآہ نزلۃً اخری؟ تو فرمایا: میں امت میں پہلی شخص ہوں جس نے آنحضور ﷺ سے اسکے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: وہ صرف جبریل علیہ السلام تھے، انکو میں نے اس صورت پر جس پر اللہ تعالی نے ان کو پیدا کیا ان دو مرتبہ کے سوا کبھی نہیں دیکھا، میں نے ان کو دیکھا کہ آسمان سے اتر رہے ہیں، ان کا بڑا جسم آسمان و زمین کے درمیان کو بھرے ہوئے ہے،



حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا نہیں سنا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: لا تُدرکُه الأبصارُ و هو یُدرک الأبصارَ وهو اللّطیفُ الخبیر، کیا نہیں سنا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: وما کان لبشر أن یُکلّمه اللّٰه الّا وَحْیاً أو مِن وراءِ حجاب أو یُرسلَ رسولاً الی قوله حکیم. فرمایا: اور جو کہتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اللہ تعالی کی کتاب میں سے کچھ چھپایا، اس نے بھی اللہ تعالی پر بہت بڑا جھوٹ کہا، اللہ تعالی فرماتے ہیں: یٰأیھا الرّسولُ بلّغ ما أنزلَ الیک من رّبّک و اِن لم تفعل فما بلّغتَ رسالتَه، فرمایا: اور جو کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کل کی بات کی خبر رکھتے ہیں، اس نے بھی اللہ تعالی پر بڑا جھوٹ کہا، اللہ تعالی فرماتے ہیں: قُل لا یَعلمُ من فی السمٰوات و الأرضِ الغیبَ الا اللّٰه.

ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے: اگر محمد ﷺ کوئی آیت چھپاتے تو یہ آیت چھپاتے: واذ تقولُ لِلّذی أنعمَ اللّٰه علیه وأنعمتَ علیه أمسِک علیکَ زَوجَک واتّق اللّٰهَ وتُخفی فی نفسِک ما اللّٰه مُبدیه وتَخشَی النّاس، واللّٰهُ أحقُّ أن تَخشاه. (مسلم ۱/۹۸ باب معنی قول الله عز وجل: ولقد رآہ نزلۃً اخری)

ترمذی میں بھی یہ روایت تفسیر میں مختصر آئی ہے، اس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل کو دیکھا اور ان کو ان کی صورت میں صرف دو دفعہ دیکھا: ایک سدرۃ المنتہی کے پاس، اور دوسری دفعہ جیاد میں، ان کے چھ سو بازو تھے، آسمان کے کنارے کو بھرے ہوئے تھے۔ (تفسیر سورۃ نجم ۲/۱۶۳)

<u>عبداللہ بن مسعود</u>: زر بن حبیش نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا:

**فکان قاب قوسین أو أدنی ، فأوحی الی عبدہ ما أوحی ،** جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں ، علقمہ نے ابن مسعود سے نقل کیا : **لقد رآی من آیات ربہ الکبری،** آپ نے سبز بستر دیکھا جس نے آسمان کے کنارے کو بھر رکھا تھا. (بخاری سورۂ نجم ۲/۷۲۰ ، مسلم ۱/۹۷)

حافظ لکھتے ہیں: نسائی اور حاکم میں عبدالرحمٰن بن یزید کے طریق سے آیا ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا کہ آنحضورﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا رفرف پر کہ آسمان و زمین کے درمیان کو بھرے ہوئے ہیں .

دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جبریل اور ان کی صفت کو بیان کیا گیا جس پر وہ تھے، اور ایک دوسری روایت میں زر بن حبیش سے ابن مسعود سے یوں مذکور ہے کہ آپ نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں، افق کو بند کئے ہوئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ رفرف نے افق کو بند کر رکھا ہے جس میں جبریل ہیں، تو جبریل کی طرف افق بند کرنے کی نسبت مجازی ہے .

احمد اور ترمذی کی روایت میں جس کی ترمذی نے تصحیح بھی کی ہے یہ ہے کہ جبریل کو رفرف کے جوڑے میں دیکھا، آسمان و زمین کے درمیان کو بھرے ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ رفرف سے مراد جوڑا ہے، (**متکئین علی رفرف**) سے اسکی تائید ہوتی ہے، رفرف باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں جو خوبصورت بُنا ہوا ہو پھر اس کا استعمال پردے میں مشہور ہوگیا، جو چیز بھی فضیلت والی ہو، موڑی اور دُہرائی ہوئی ہو اسکو رفرف کہتے ہیں، **رَفَر الطائر بجناحیہ** بولا جاتا ہے، جب پرندہ اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلائے، بعض شراح نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ جبریل نے اپنے بازو کو



پھیلا لیا تھا اسلئے رفرف کے مشابہ ہوگئے، انھوں نے ایسا ہی فرمایا، اور جو روایت میں نے ذکر کی وہ مراد کو واضح کرتی ہے . (فتح الباری ۷/۶۱۱ سورۂ نجم)

**ابوذر غفاریؓ** : ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے آنحضورﷺ سے پوچھا : آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا : اللہ تعالے نور ہیں، کیسے میں دیکھ سکتا ہوں، **نورٌ أنّی أراہ** ، مطلب یہ ہے کہ اس کا حجاب نور ہے، میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ امام مازری فرماتے ہیں کہ أراہ کی ضمیر اللہ کی طرف جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ نور نے دیکھنے سے مجھ کو روک دیا، جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ نگاہ پر جب انوارات چھا جاتے ہیں تو نگاہ دیکھ نہیں پاتی ، ایک روایت میں ہے میں نے نور کو دیکھا، **رأیت نوراً** . (مسلم ۱/۹۹) یعنی اس کے سوا نہیں دیکھا.

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ مازری نے کہا: نورَانیٌّ أراہ بھی روایت کیا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ نورٗ اللہ تعالی کی رؤیت سے مانع بن گیا. قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ یہ روات ہم کو نہیں ملی، کسی اصول میں نہیں دیکھی، محال ہے کہ اللہ تعالے کی ذات نور ہو، نور تو اجسام میں سے ہے، اللہ تعالے اس سے منزہ ہیں، یہ تمام مسلمانوں کے ائمہ کا مذہب ہے . (نووی ۱/۹۹)

حافظ لکھتے ہیں: ابن خزیمہ میں ابوذر سے روایت ہے: **رآہ بقلبہ ولم یرہ بعینہ** دل سے دیکھا، آنکھ سے نہیں. اھ اس سے معلوم ہوگیا کہ ابوذر کے نور ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نور آنکھ سے دیکھنے میں حائل ہوگیا. (فتح ۷/۶۰۸)

**ابن عباسؓ** : ابوالعالیہ نے ابن عباس سے نقل کیا (**ما کذَبَ الفؤادُ ما رأی ،**

**و لقد رآه نزلةً أخرى**)،آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کو دودفعہ دیکھا اپنے دل سے،عطاء نے ابن عباس سے نقل کیا کہ آپ نے دل سے دیکھا۔ (مسلم ۹۸/۱)

ان دونوں روایتوں کو ذکر کر کے حافظ لکھتے ہیں: اس سے زیادہ صریح روایت ابن مردویہ کی ہے،عطاء ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہیں دیکھا،صرف دل سے دیکھا،اس طرح ابن عباس کے اثبات اور عائشہ کی نفی میں تطبیق ہوسکتی ہے کہ دیکھنا دل سے ہوا،نہ دیکھنا آنکھ سے ہوا۔

پھر دل سے دیکھنے کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ علم حاصل ہوا،کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالے کو برابر جانتے تھے،جولوگ آپ کیلئے یہ مانتے ہیں کہ دل سے دیکھا ان کا مطلب یہ ہے کہ جو رؤیت آپ کو حاصل ہوئی آپ کے دل میں اس طرح پیدا کردی گئی جیسے رؤیت آنکھ کی دوسرے کیلئے پیدا کردی جاتی ہے،اور رؤیت کیلئے عقلا کوئی خاص شرط نہیں ہے اگرچہ عادۃً آنکھ میں پیدا کی جاتی ہے۔ (فتح ۶۰۸/۸)

حافظ نے فتح الباری ۲۱۸/۷ میں فرمایا: طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے قوی سند سے نقل کیا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دودفعہ دیکھا (رآى ربه مرتين)، دوسرے طریق میں ہے کہ **نظر محمدٌ الى ربّه**، محمد ﷺ نے اپنے رب کی طرف دیکھا۔ (فتح الباری ۲۱۸/۷ فی شرح حدیث ابن عباس بخاری ۵۵۰/۱ باب حدیث الاسراء)

حافظ لکھتے ہیں کہ قرطبی نے ''**المفهم**'' میں اس کو ترجیح دیا ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے اور اس کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تائید اس طرح پیش کی ہے کہ اس مسئلہ میں قطعی دلیل نہیں ہے،دونوں طرف ظاہری دلائل ہیں جو آپس میں متعارض ہیں اور تاویل کے لائق ہیں،اور اس مسئلہ کا عمل سے



کوئی تعلق نہیں کہ ظنی دلائل پر اکتفاء کیا جائے،یہ اعتقادیات میں سے ہے،اس میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے (جوموجود نہیں)۔

ابن خزیمہ (کتاب التوحید) میں اثبات کو راجح قرار دینے کی طرف مائل ہوئے اور بہت لمبا استدلال پیش کیا ہے،اس کو ذکر کرنے میں بات لمبی ہوجائیگی،اور ابن عباس سے جو بات منقول ہے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ رؤیت دوبار ہوئی،ایک دفعہ آنکھ سے اور دوسری دفعہ دل سے،میں نے جتنا ذکر کیا ہے کافی ہے۔ (۶۰۸/۸)

حافظ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ہمارے نبی ﷺ کیلئے رؤیت ثابت مانی ہے۔

خلال نے (کتاب السنہ) میں مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا وہ اللہ تعالے پر جھوٹ بول رہا ہے۔اھ انکی اس بات کا کیا جواب ہوگا؟ فرمایا آنحضور ﷺ کے قول سے ان کا جواب دیا جائیگا،آپ ﷺ نے فرمایا: **رأيتُ ربّي**، میں نے اپنے رب کو دیکھا، اور نبی ﷺ کا قول حضرت عائشہؓ کے قول سے بڑھ کر ہے۔

صاحب الهدی (ابن القیم) نے امام احمد کی طرف اس قول کی نسبت سے انکار کیا کہ انھوں نے فرمایا: اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا،صرف ایک دفعہ فرمایا: محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور دوسری دفعہ یہ فرمایا: اپنے دل سے دیکھا، بعض متاخرین نے ان سے نقل کیا کہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا،یہ نقل کرنے والوں کا تصرف ہے،ان کی نصوص موجود ہیں۔ (فتح الباری ۶۰۹/۸)

حافظ لکھتے ہیں: آنحضورﷺ نے اللہ تعالے کو دیکھا یا نہیں؟ اس میں سلف کا اختلاف ہے، حضرت عائشہؓ اور ابن مسعودؓ انکار کرتے ہیں، ابو ذرؓ سے اختلاف منقول ہے (یعنی دونوں طرح کی باتیں منقول ہیں)، ایک جماعت ثابت مانتی ہے، حسن بصریؒ سے معمر نے نقل کیا کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ محمدﷺ نے اپنے رب کو دیکھا، (عبدالرزاق)، عروہ بن زبیر بھی اثبات کے قائل تھے (ابن خزیمہ)، ان سے عائشہؓ کے انکار کا تذکرہ کیا جاتا تو ان کو گرانی ہوتی، ابن عباس کے تمام شاگرد رؤیت کے قال تھے، کعب احبار، زہری، انکے شاگرد معمر اور دوسرے لوگ اثبات کے قائل تھے، امام ثوری اور انکے متبعین کا قول بھی یہی تھا. (فتح الباری ۶۰۸/۸)

حافظ لکھتے ہیں: پھر اس میں اختلاف ہوا کہ آنکھ سے دیکھا یا دل سے، امام احمدؒ سے دونوں طرح کا قول ہے، میں کہتا ہوں: ابن عباس سے مطلق خبر بھی ہے اور مُقیّد بھی تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے، ایک روایت ان سے نسائی میں صحیح سند سے مروی ہے، حاکم نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: تم لوگ تعجب کرتے ہو کہ خُلّت (دوستی) ابراہیم علیہ السلام کیلئے ہے، اور کلام موسی علیہ السلام کیلئے اور رؤیت محمدﷺ کیلئے؟ ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی سلمہ کے طریق سے نقل کیا کہ ابن عمر نے ابن عباس کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا کہ کیا محمدﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ جواب بھیجا کہ جی ہاں!. (فتح ۶۰۸/۸)



# علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم کی شرح فتح الملہم تصنیف کرنے کے وقت علامہ انور شاہ کشمیری سے درخواست کی کہ سورۂ نجم کے ابتدائی حصہ کی تفسیر بیان فرمایئے اور نبی ﷺ نے اللہ تعالے کو دیکھا تھا یا نہیں؟ تو حضرت کشمیریؒ نے ایک جامع بہترین تقریر کی، اس میں مختلف روایات اور کلام کو جمع فرمایا اور قرآن کریم کی گہرائی میں گئے.

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: میں نے ان سے عرض کیا کہ اس کو لکھ دیجئے تا کہ فائدہ عام ہو، حضرت کشمیریؒ نے میری درخواست کو قبول فرمایا، اور بہت مشغولیت کے باوجود تحریر فرما دیا، حضرت کی ذات ایسی ہے کہ آنکھوں نے ان جیسا نہیں دیکھا، انھوں نے خود بھی اپنا جیسا نہیں دیکھا، اگر گزشتہ زمانہ میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں ان کا بڑا مقام ہوتا.

ان کی تحریر کا ترجمہ یہ ہے:

**بسم اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحیم ، و النَّجم اذا ھوَی** : ستارہ سے بات شروع کی جو آسمان کی چیز ہے، اسلئے کہ آئندہ کلام آسمان کی خبر میں ہے، آسمانوں سے سدرۃ المنتہی تک اسراء کے ذکر میں ہے، یہاں تک کہ فرمایا : **اِن ھو الاّ وحیٌ یُوحی** (یہ صرف وحی ہے جو بھیجی جا رہی ہے)، یہ ان آیات کا خلاصہ ہے .

مُوحی (وحی بھیجنے والے) کا نام نہیں لیا، اسلئے کہ اللہ تعالے کے سوا کوئی وحی بھیجنے والا ہے نہیں، وہی متعین ہے، اور جو اوصاف صرف ایک ہی موصوف میں پائے

جاتے ہوں انکو ذکر کردینا موصوف کا نام لئے بغیر زیادہ بلیغ ہے، جیسے لوگوں کا قول: **مررتُ بأكرمِ القوم** ، میں قوم کے سب سے شریف آدمی کے پاس سے گزرا ۔

پھر فرمایا : **علّمَهُ شديد القوى** : ان کو بڑی طاقت والے (جبریل) نے سکھایا، مُوحی سے معلّم کی طرف منتقل ہوئے، دونوں کو دو بتایا، ایک مُوحی، (وحی بھیجنے والا) دوسرا معلم (سِکھانے والا)، پھر معلم کے اوصاف ذکر کئے، اسلئے کہ کلام اہل مکہ کے ساتھ تھا اور وہ جبریل کو پہچانتے نہیں تھے اسلئے اللہ تعالے نے ان کی صفت اور کام کو ذکر فرمایا، یہ ان کے اوصاف سورۂ تکویر میں بیان ہوئے ہیں، ( **اِنّه لقولُ رسولٍ كريم ، ذى قوةٍ عند ذى العرشِ مكينٍ ، مُطاعٍ ثمّ أمين** )

تو گویا یہ وحی کی سند کی توثیق وتعدیل ہے اور وحی کے آنے کی صفت اور صورت کا بیان ہے، جب کہا گیا کہ اس کے پاس فرشتہ آتا ہے تو دل میں خیال آیا کہ کیسے آتا ہے؟ تو فرمایا: کہ وہ اس پر قادر ہے، طاقت والا ہے، مبارک صورت والا ہے، اس سے خیر ہی کی امید ہوسکتی ہے، وہ نیچے آتا ہے، قریب ہوتا ہے، پھر اپنے انعام اور ان کی صفت اور حلیہ کو اور ان کے آنے کی صفت کو بیان کیا ۔

ابن قیمؒ نے فرمایا: (**ذو مرّة** ) کا مطلب یہ ہے کہ اچھی شکل وصورت والے عظیم الشان ہیں، بدصورت شیطان نہیں ہیں، بلکہ مخلوقات میں سب سے زیادہ خوبصورت، طاقتور، امانتدار اور اللہ تعالے کے یہاں بلند مرتبہ ہیں، فرماتے ہیں: یہ وحی اور نبوت کی سند کی تعدیل اور ان کا تزکیہ ہے، جیسا کہ سورۂ تکویر میں بھی مذکور ہے، ان کو علم اور قوت اور خوبصورتی اور جلالتِ شان کے ساتھ متصف فرمایا، یہ دونوں رسول فرشتہ اور انسان کے حالات و اوصاف ہوئے ۔ اھ



یہ مخاطبین کے ساتھ پہلی گفتگو تھی، اس کے بعد اس کی کچھ تفصیل بیان کی:

( **فاستوى ، و هو بالأفق الأعلى ، ثم دنا فتدلّى ، فكان قاب قوسين أو أدنى ، فأوحى الى عبده ما أوحى** ) ، پھر سیدھا بیٹھا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا، پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا، پھر دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا، پھر اللہ تعالے نے وحی بھیجی اپنے بندہ پر جو وحی بھیجی ) ۔

کہا گیا ہے جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے ذکر کیا کہ (**فتدلّى**) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں، بلکہ جیسے پھل لٹک جاتا ہے اسی طرح تعلق کے ساتھ جھک جاتا ہے، یہ ایسا ہے جیسے کوئی عظیم نور جو فضاء میں پھیلا ہوا ہے، کسی طاق اور سوراخ میں چھوٹا بن کر داخل ہو جائے، دیکھنے والا اس کو دیکھتا ہے کہ اپنی جگہ سے الگ نہیں ہے، جبریل علیہ السلام کبھی انسانی شکل میں آتے تھے اس میں علماء کرام نے جو بات ارشاد فرمائی ہے یہ اس کا بیان ہے ۔

یہاں سہیلی کی یہ بات مفید ہوگی، وہ ابن سنجر کی روایت ذکر کرتے ہیں، وہ اس کو شریح بن عبید سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب آنحضرت ﷺ آسمان کی طرف چڑھے اور وحی کرنے والے نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو وحی کی، تو جب جبریل نے اللہ تعالے کے قرب کو محسوس کیا تو سجدہ میں گر گئے اور برابر یہ تسبیح پڑھتے رہے: **سبحانَ ربِّ الجبروتِ و المَلَكوتِ و الكِبرياءِ و العظَمَةِ**، یہاں تک کہ اللہ تعالے نے اپنے بندہ پر وحی پوری کردی، فرماتے ہیں: پھر سر اٹھایا تو میں نے ان کو ان کی اس صورت پر دیکھا جس پر اللہ تعالی نے ان کو پیدا فرمایا تھا، ان کے پَروں میں زَبرجد، موتی اور یاقوت جُڑے ہوئے تھے، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ان کی

دونوں آنکھوں کے درمیان نے دونوں افق کو بھر دیا ہے، اس سے پہلے میں ان کو مختلف صورتوں پر دیکھا کرتا تھا، اور اکثر ان کو دحیہ کلبی کی صورت پر دیکھتا تھا، کبھی اس طرح دیکھتا تھا جیسے کوئی اپنے ساتھی کو چھلنی کے پیچھے سے دیکھے ۔ اھ

**تنبیہ** : (**فأوحى الى عبده ما أوحى**) میں ضمیر اللہ تعالےٰ کی طرف جاتی ہے، جبریل کی طرف نہیں، طبری میں **فأوحى الله الىّ ما أوحى** آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی جو بھیجی، اس طرح کی بات مسلم میں بھی ہے ۱؎

یہ ضمیروں میں انتشار اور ترتیب میں بے ربطی نہیں ہے، کیونکہ یہ کام صرف اللہ تعالےٰ کا ہے، یہاں دو کا ذکر ہے، مُوحی اور مُعلّم کا، جب اللہ تعالےٰ نے فرشتہ کو قاصد بنایا تو آخر میں مُرسِل کی ضرورت پیش آئی، قاصد مُوحی نہیں، مُرسِل مُوحی ہے، جیسے دوسری جگہ ہے: **أو يُرسِلَ رسولاً فيوحِيَ باذنِه ما يشاءُ.** (شوریٰ: ۵۱)

یہاں واو کے ذریعہ عطف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سلسلہ ہے، بعض بعض کے پیچھے، ترتیب کے ساتھ خارج میں ہیں، اخیر میں اللہ تعالےٰ ہیں ۔

یہ خلاصہ بھی ہے جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالےٰ کے قول (**ان هو الا وحى يوحى**) میں ہے، اور یہ استیناف بھی ہے مُستانف عنہ (پہلے کلام) کے اعادہ کے ساتھ، جیسے اللہ تعالےٰ کے قول: (**اِهدِنا الصِّراطَ المُستقيم ، صراطَ الَّذينَ أنعمتَ عليهم**) میں ہے.

پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا: (**ما كذب الفؤاد ما رأى**)، ماقبل سے اس کو

---

۱؎ شاید اس سے مراد یہ لفظ ہے : **فأوحى الىّ ما أوحى ففرض علىّ خمسين صلوة فى كل يوم و ليلة .** (مسلم ۹۱ من حديث انس بطريق ثابت البنانى ۱۲ فضل)



الگ رکھا، معطوف نہیں کیا، اسلئے کہ اس میں دل سے اللہ تعالےٰ کی رؤیت بھی داخل ہے اور جبریل علیہ السلام کو ان کی صورت میں دیکھنا بھی داخل ہے، یہ رؤیت اسراء سے پہلے اور شب اسراء میں جتنی رؤیت ہوئی سب کو شامل ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے اس کے بعد فرمایا: (**لقد رأىٰ من آياتِ ربّه الكُبرى**) اور بنی اسرائیل میں فرمایا: (**لنُريَه من آياتِنا**)، وہاں اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا : **و ماجعلنا الرُّؤيا الّتى أريناكَ الاّ فتنةً للنّاس .** (اسراء :۶۰)، اُس فتنہ سے مراد جھگڑا اور اختلاف کرنا ہے جو یہاں (**أفتُمارُونَه على ما يَرى**) میں مذکور ہے.

اسلئے **ما كذب الفؤاد ما رأى** کا مطلب یہ ہے کہ دل نے ہمارے بندہ سے غلط نہیں کہا جو ہمارے بندے نے دیکھا، خواہ دل سے یا آنکھ سے، کذَب دو مفعول کی طرف متعدی ہے، جیسے کہتے ہیں: **صدقتُ فلانا الحديثَ و كَذَبتُه** ، میں نے فلاں سے سچ بات کہی، اور غلط کہی، ایک مفعول پر اقتصار بھی ہوسکتا ہے، یعنی یہ بات جھوٹ نہیں کہی، بلکہ ایسی بات کہی جو بعد میں کھلّم کھلا اسراء میں واقع ہوئی، بلحاظ اللہ تعالےٰ کو دیکھنے کے ۔

..... یہاں رؤیت دل کی ہو اور آئندہ نگاہ کی ہو، اس میں کوئی بے ربطی اور بدنظمی نہیں ہے، کیونکہ رؤیت ایک ہی چیز ہے، فرق فاعل کی طرف سے ہے، مرفوع احادیث اور آثار سے دونوں طرح کا دیکھنا صحیح اور ثابت ہے، پہلی رؤیت اللہ تعالیٰ کی دل سے ہوئی اور دوسری نگاہ سے، جیسے نبوت آپ کو ملی تو اس سے پہلے خواب دیکھا کرتے تھے پھر وحی بیداری میں آئی ۔

پھر آنحضور ﷺ نے ہر ایک سے متعلق کچھ باتیں ارشاد فرمائیں جیسا کہ مواہب

(لدنیہ) میں مهدوی سے نقل کیا ہے، متعارف طریقہ پر الفاظ سے جامع مانع تعریف نہیں کی، بلکہ صرف مصادیق اور قصہ کے اطراف ذکر کردیئے، اسکی مثالیں حدیث میں اور سلف کے یہاں بہت ہیں، جیسے حدیث اول مسجد اسّس علی التقوی .

پھر اللہ تعالے نے فرمایا: (أفتُمارونه علی ما یری): ماقدرائی نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں اس کے بعد بھی رؤیت ہے، سہیلی نے یہ بات ارشاد فرمائی، اسی طرح (علی ما یری) فرمایا، (فیما یری) نہیں فرمایا، کیونکہ مشرکین نفسِ رؤیت میں جھگڑا کر رہے تھے، خاص مرئی میں نہیں .

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے: رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا: ایک دفعہ اپنی نگاہ سے اور دوسری دفعہ اپنے دل سے، اسکو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا، اسکے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے جمہور بن منصور کوفی کے، جمہور کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، ایسے ہی (مجمع) الزوائد میں ہے .

دارمی میں ابن غنم سے روایت ہے، فرمایا: جبریل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے پاس تشریف لائے، آپ کا شکم مبارک چاک کیا، پھر فرمایا: مضبوط دل ہے، اس میں دو سننے والے کان اور دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں .

پھر اللہ تعالے نے فرمایا: (و لقد رآه نزلة أخری)، یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے، جبریل کی رؤیت تو ظاہر ہے، بہر حال اللہ تعالے کی رؤیت تو نہیں ہوگی مگر اس طرح کہ اللہ تعالے قریب ہوں جیسے اللہ تعالے کا رات کے آخری تہائی حصہ میں قریبی آسمان کی طرف نزول فرمانا، اور جیسے کہ حدیث میں آیا ہے، اللہ تعالے اہل جنت کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے: کیا تم راضی ہو گئے؟



تو (عند سدرة المنتهی) دیکھنے والے سے متعلق ہے، جیسے رأیتُ الهلال من المسجد، مرئی سے متعلق نہیں جیسے رأیتُه من السحاب، اس کو طبری نے ذکر کیا .

اور اللہ تعالے کا ارشاد (اذ یغشی السدرة ما یغشی)، اس سے مراد انوار اور تجلیات ہیں، فرشتے پروانوں کی طرح اس پر چھا رہے تھے .

نسائی میں مذکور ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: میں سدرة المنتہی پہونچا تو مجھ پر ایک بدلی چھا گئی، میں اس کے سامنے سجدہ میں گر گیا. (نسائی ۱/۱۷)

یہ بدلی وہی بدلی کا سائبان ہے جس میں اللہ تعالے تشریف لائیں گے اور تجلی فرمائیں گے: هَل یَنظرون الاّ أن یأتیَهُم اللّٰهُ فی ظُلَلٍ مّن الغَمامِ و الملٰئكةُ و قُضِیَ الأمرُ و الی اللّٰه تُرجَع الأمور . (بقرہ:۲۱۰ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ فضل)

پھر اللہ تعالے نے فرمایا: (مازاغ البَصرُ و ما طغی)، یہاں تصریح فرمادی کہ بیداری میں ہوا، یہ بھی لفظ کے لحاظ سے عام ہے، جو کچھ دیکھا اس کو شامل ہے، لیکن مراد اللہ تعالے کے ساتھ جو کچھ ہوا فقط وہی مراد ہے .

پھر اس کا خلاصہ بیان فرمایا: (لقد رأی مِن آیات ربّه الکُبری)، عطف نہیں کیا، کیونکہ یہ بھی جو کچھ آپ نے دیکھا ان سب کو شامل ہے .

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رأیتُ نوراً، اور نورٌ أنّی أَراه دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی وہ نور ہے، میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

ذہبی کے کتاب العلو میں ہے کہ مروزی نے ابو عبداللہ (امام احمد ۱۲ فضل عن الفتح

۶۰۸/۸) سے پوچھا: آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی تردید کیسے کرسکتے ہیں؟ فرمایا: آنحضورﷺ کے قول رأیتُ ربّی ) سے.

امام احمد نے اپنی مسند میں فرمایا: **حدثنا أسودُ ثنا حماد بن سلمة عن قتادة عن عكرمة عن ابن عباس ؓ قال قال رسول الله ﷺ : (رأيتُ ربّي عزّ وجلّ)**، اس کی سند قوی ہے. اھ

یہ روایت اس روایت کا اختصار نہیں ہے جو ترمذی(۱۵۹/۲)نے سورۂ ص کی تفسیر میں ابن عباس سے ذکر کی ہے، اسلئے کہ وہ دوسرے طریق سے آئی ہے، اُبو قلابۃ عن ابن عباس ہے، اور یہ عکرمہ عن ابن عباس ہے، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے، سورۂ نجم کی تفسیر میں، اور یہ ابن عباس سے مشہور ہے.

بعض لوگ آنکھ سے دیکھنے کی نفی کرتے ہیں اور یہ مراد لیتے ہیں کہ آنکھ اس رؤیت کیلئے کافی نہیں ہے، یہ سب باتیں معقول ہیں، ہر ایک نے اپنے جانب کی بات کی، مجموعہ تمام اطراف کا جامع ہے، (یعنی دونوں کا امکان ہے ۱۲ فضل ) اور رؤیت کے بیان کو مبہم رکھا گیا اسلئے کہ اس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی تو اس میں مغالطات ہوسکتے ہیں، تو اس کو مبہم رکھنا بہتر تھا . واللہ تعالے اعلم

(فتح الملہم ۴۱۳/۳ جدید طبع دارالعلوم کراچی) (یہاں تک علامہ کشمیری کی بات ختم ہوئی)



# تکمیل

## سدرۃ المنتہی کے بعد کیا دیکھا؟

حافظ ابن حجرؒ باب المعراج میں مالک بن صعصعہؓ کی حدیث کی شرح کرنے کے بعد (تکملہ) کے عنوان سے لکھتے ہیں: (فتح الباری ۲۱۶/۷) :

سدرۃ المنتہی کے دیکھنے کے بعد دوسری روایتوں میں کچھ اور دیکھنے کا ذکر آیا ہے، جو اس روایت میں نہیں، کتاب الصلوۃ کے شروع میں (۵۱/۱) میں آیا کہ میں اسکے بعد اس سطح پر گیا جہاں قلم کی آواز سن رہا تھا، شریک کی روایت میں جو حضرت انسؓ سے کتاب التوحید میں آرہی ہے یہ ہے کہ سدرۃ المنتہی پر پہونچے اور جبّار رب العزّۃ تبارک وتعالی قریب ہوئے اور دو کمان کے قریب ہوئے یا اس سے بھی کم اور ۵۰ نمازوں کی وحی کی . ( بخاری ۱۱۲۰/۲)

اس زیادتی میں اشکال ہے، اس کا جواب کتاب التوحید میں ان شاء اللہ تعالے آئے گا.

ابوذرؓ کی روایت میں یہ زیادتی آئی ہے کہ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا، اس میں موتی کے گنبد تھے اور مٹی مشک کی تھی.

مسلم میں ھمام عن قتادہ عن انس روایت میں یہ آیا: میں جنت میں چل رہا تھا تو ایک نہر آئی جس کے دونوں کنارے خالی موتی کے قبے تھے، اور اسکی مٹی بھڑکنے والی مشک تھی، جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ کوثر ہے.

ابن ابی حاتم اور ابن عائذ کی روایت میں یزید بن عامر کے طریق سے حضرت انسؓ سے یہ ہے کہ پھر (جبریل) چلے، اور مجھے درخت کے پاس لے گئے، وہاں ہر بدلی سے ہر طرح کا رنگ میرے اوپر چھا گیا، جبرئیل پیچھے ہوگئے اور میں سجدہ میں گر گیا.

مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ آپ کو پانچ وقت کی نمازیں دی گئیں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ کے ہر امتی کے کبائر کی مغفرت جو شرک نہ کرتا ہو، اس روایت میں یہ زیادتی بھی ہے: پھر مجھ سے وہ بدلی ہٹی اور جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا، میں تیزی سے واپس ہوا، ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا انھوں نے کچھ نہیں کہا، پھر موسی علیہ السلام کے پاس پہونچا انھوں نے پوچھا کیا ہوا؟ الی آخرہ

اس میں یہ بھی ہے: رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے پوچھا: کیا بات ہے کہ جب میں آسمان والوں سے گزرا تو ہر ایک نے مجھے مرحبا کہا اور ہنسے سوائے ایک آدمی کے، ان کو سلام کیا تو مرحبا کہا لیکن ہنسے نہیں؟ فرمایا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ مالک جہنم کے خازن ہیں، جب سے پیدا ہوئے کبھی نہیں ہنسے، اگر کسی کیلئے ہنستے تو آپ کیلئے ہنستے.

احمد اور ترمذی میں حضرت حذیفہؓ کی حدیث میں ہے کہ دونوں کیلئے آسمان کے دروازے کھولے گئے، دونوں نے جنت اور جہنم دیکھی اور آخرت کے تمام وعدے.

اور ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے کہ آپ کے اوپر جنت پیش کی گئی، اسکے انار ڈول کی طرح تھے اور پرندے بختی اونٹ کی طرح تھے، جہنم بھی پیش کی گئی وہ



ایسی ہے کہ اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈالا جائے تو اس کو کھا جائے گی.

شداد بن اوس کی روایت میں ہے: **فاذا جهنم تكشف عن مثل الزرابی و وجدتها مثل الحمة السخنة**، اس میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی وادی میں جہنم کو دیکھا.

یزید بن ابی مالک کی روایت حضرت انسؓ سے ابن ابی حاتم کی کتاب میں ہے، اس میں یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! (ﷺ): کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی کہ آپ کو حور عین دکھائیں؟ فرمایا ہاں، فرمایا: جائیے ان عورتوں کو سلام کیجئے، فرمایا: میں نے جا کر سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم خیرات حسان ہیں. الی آخرہ

ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود عن ابیہ کی روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے آنحضور ﷺ سے فرمایا: اے بچے! رات کو اللہ تعالے سے ملاقات ہوگی، آپکی امت آخری سب سے کمزور امت ہے، تو اگر ہو سکے کہ آپ کی ضرورت یا اکثر ضرورت امت کے بارے میں ہو تو ایسا ہی کرنا (یعنی مغفرت وغیرہ طلب کرنا ۱۲ فضل)

واقدی نے اپنی سندوں سے اسراء کی حدیث کے شروع میں یہ ذکر کیا ہے: آنحضور ﷺ اپنے رب سے یہ درخواست کیا کرتے تھے کہ مجھے جنت اور جہنم دکھائیے، جب ۱۷ رمضان کو سنیچر کی رات ہوئی، ہجرت سے ۱۸ ماہ قبل آپ اپنے گھر میں ظہر کے وقت سو رہے تھے تو جبریل اور میکائیل علیہما السلام تشریف لائے، اور فرمایا: چلئے آپ کی درخواست قبول ہوئی، دونوں آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان لے گئے، آپ کے پاس سیڑھی لائی گئی، بہت خوبصورت چیز تھی، دونوں

آپ کو لے کر آسمانوں پر چڑھے، انبیاء علیہم السلام سے ملے، سدرۃ المنتہی پہونچے، اور جنت اور جہنم دیکھی، اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں. اھ

اگر یہ روایت ثابت ہو تو بظاہر یہ کوئی اور معراج ہے، اسلئے کہ اس میں ظہر کا ذکر ہے اور یہ ہے کہ معراج مکہ سے ہوئی (حالانکہ معراج بیت المقدس سے ہوئی ۱۲ فضل) ان دونوں باتوں میں یہ روایت صحیح روایتوں کے خلاف ہے .

اگر تعدد مانا جائے تو اس پر اشکال ہوگا کہ اس وقت بھی نمازوں کی فرضیت کا ذکر ہے (تو کیا نمازیں دو دفعہ فرض ہوئیں؟ ۱۲ فضل)، اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس کا ذکر تاکیداً دُہرا دیا گیا یا کہ اس میں سے ایک خواب میں ہوئی اور دوسری بیداری میں خواہ پہلی یا دوسری. واللہ اعلم (فتح الباری ۷/۲۱۷)

## معراج کی حدیث کے فوائد :

حافظ نے اسکے بعد حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد ذکر کئے، وہ یہ ہیں :

معلوم ہوا کہ آسمان میں حقیقی دروازے ہیں، اور انکی حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، دروازے کی پیچھے اجازت لینے والے کو اپنا نام بتانا چاہئے، صرف انا (میں) کہنا کافی نہیں، اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، گزرنے والا سلام کریگا بیٹھنے والے کو اگرچہ گزرنے والا افضل ہو، قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، ابراہیم علیہ السلام بیت معمور سے پیٹھ لگائے ہوئے تھے، وہ ہر طرف سے قبلہ ہونے میں کعبہ ہی کی طرح ہے، حکم کو منسوخ کرنا عمل سے قبل بھی ہوسکتا ہے (جیسا کہ ۵۰ نمازوں میں ہوا)، رات میں سفر کرنا دن کے مقابلہ میں بہتر ہے، اسی



لئے رات میں اسراء ہوئی، اسی لئے آپ ﷺ کی عبادت اور سفر بھی رات میں اکثر ہوا، اور فرمایا: **عليكم بالدُّلجة فانّ الأرضَ تُطوى باللَّيل**، رات کو سفر کیا کرو، زمین رات کو لپیٹی جاتی ہے، معلوماتِ کثیرہ کے مقابلہ میں تجربہ مقصود کی تحصیل میں زیادہ قوی ہے، موسی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے آپ سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا اور پرکھا، اس سے عادت کو حاکم اور فیصل بنانے کا مسئلہ بھی معلوم ہوا، اور اعلی سے ادنی پر تنبیہ کرنا بھی معلوم ہوا، اسلئے کہ پہلی امتیں اس امت سے زیادہ طاقتور تھیں، موسی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اس سے کم کا مطالبہ کیا لیکن عمل نہیں کیا، ابن ابی جمرہ نے یہ نکتہ بیان کیا.

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلّت کا مقام تسلیم و رضا ہے، اور کلام کا مقام ناز اور انبساط ہے، اسی لئے صرف موسی علیہ السلام نے تخفیف کے مطالبہ کا حکم دیا، ابراہیم علیہ السلام نے نہیں، حالانکہ آنحضور ﷺ کا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ زیادہ اختصاص تھا بنسبت موسی علیہ السلام کے، ابراہیم علیہ السلام آپ کے والد تھے، درجہ کی بلندی میں مشابہت ہے اور ملت ابراہیمی کے پیرو تھے، قالہ ابن ابی جمرہ.

کسی اور نے کہا: حکمت اسکی وہ ہے جو موسی علیہ السلام نے خود بیان فرمائی جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ اسی عبادت میں میں نے اپنی قوم کو آزمایا لیکن انھوں نے میری مخالفت کی اور نافرمانی کی .

حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت اور جہنم پیدا ہو چکی ہیں، آپ ﷺ نے ان کو دیکھا، اللہ تعالے سے زیادہ سوال کرنا اور سفارش کرنا، موسی علیہ السلام کے کہنے سے آپ ﷺ بار بار گئے اور تخفیف مانگی، اور اس میں استحیاء کی بھی فضیلت ہے،

اور جو خیر خواہی کا ضرورتمند ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کرنا اگر چہ ضرورتمندوں سے مشورہ نہ کیا ہو .

اہل فضیلت سے بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا چاہئے، ان کو مرحبا کے ساتھ دعا بھی دینی چاہئے اور تعریف بھی کرنی چاہئے، جس کی منہ پر تعریف کرنے سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو اس کی منہ پر تعریف بھی کی جاسکتی ہے .

(فتح الباری ۷/۱۸ا۔۲۱۷)

## براق کے بارے میں کچھ تفصیل

بُراق: بَرِیق سے مشتق ہے، بعض روایتوں میں آیا کہ بُراق سفید تھا، یا بَرْق (بجلی) سے مشتق ہے، کیونکہ بہت تیز رفتار تھا، یا عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: شاۃ برقاء، جب کہ سفید بکری کے اون میں کچھ کالے بال بھی ہوں، یہ سفید ہونے کے خلاف نہیں، اس بکری کو بھی سفید کہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ مشتق ہی نہ ہو .

براق کے بارے میں صحیح بخاری میں یہ آیا کہ وہ اپنا قدم وہاں رکھتا جہاں تک اس کی نگاہ جاتی .

ابویعلی اور بزار میں ابن مسعودؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب پہاڑ سے گزرتا تو اس کے دونوں پاؤں اٹھ جاتے اور جب نیچے اترتے تو دونوں ہاتھ اٹھ جاتے .

ابن سعد کی روایت میں واقدی سے ان کی سندوں سے یہ آیا ہے کہ براق کے دو بازو (پَر) تھے، یہ بات میں نے کہیں اور نہیں دیکھی .



ثعلبی کے یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ضعیف سند سے براق کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اس کے رخسار تھا انسان کی طرح اور بال تھے گھوڑے کی طرح، پاؤں تھے اونٹ کی طرح، کُھر اور دم تھی گائے کی طرح، اس کا سینہ سرخ یاقوت تھا.

بعض نے کہا: براق کی چال کو اڑنا نہیں کہا گیا، اسلئے کہ اللہ تعالے جب کسی کیلئے اپنے فضل سے راستہ آسان کردیں اور تھوڑی دیر میں لمبی مسافت طے کرلے تو اس کو سفر سے خارج نہ کیا جائے، اس پر سفر کے احکام جاری ہوں گے [1]

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے فرمایا: براق کو اس کام کیلئے خاص کیا گیا، اشارہ کیلئے کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے، اسلئے کہ معلوم نہیں کہ کوئی شخص براق کا مالک ہوا ہو، اور دوسرے جانوروں کے لوگ مالک ہوئے .

یہ بھی فرمایا: اللہ تعالے بغیر براق کے بھی آپ کو بلاسکتے تھے کہ آپ خود چڑھ جاتے لیکن براق پر سوار ہونے میں آپ کی تشریف وتعظیم میں زیادتی تھی، خود چڑھتے تو پیدل جانے والے کہلاتے، راکب ماشی سے زیادہ باعزت ہوتا ہے .

شرف المصطفی میں ابوسعید کی روایت میں یہ ہے کہ براق کے پاؤں دان کو جبریل پکڑے ہوئے تھے اور لگام میکائیل علیہما السلام پکڑے ہوئے تھے .

معمر کی روایت میں عن قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ یہ آیا ہے کہ لیلۃ الاسراء میں آپ ﷺ کے پاس براق لایا گیا، اس میں زِین اور لگام لگی ہوئی تھی، اس نے کچھ شرارت کی تو جبریل نے فرمایا: تو نے کیوں ایسا کیا؟ واللہ تمہارے اوپر کوئی مخلوق اللہ

---

[1] آج کل اڑ کر سفر کے باوجود آدمی کو مسافر سمجھا جاتا ہے اور سفر کے احکام جاری ہوتے ہیں . فضل

تعالے کے یہاں آپ سے زیادہ مکرم سوار نہیں ہوئی، یہ سن کر وہ پسینہ پسینہ ہوگیا، ترمذی نے اس کو نقل کر کے حسن غریب کہا، ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ۔

ابن اسحاق نے قتادہ سے ذکر کیا کہ جب براق نے شرارت کی تو جبریل علیہ السلام نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: تو شرماتا نہیں، اسی طرح مرسلا ذکر کیا، اس میں حضرت انسؓ کا نام نہیں ۔

وثیمہ کی روایت میں ابن اسحاق سے یہ ہے کہ وہ دب گیا حتی کہ زمین سے لگ گیا تو میں اس پر سوار ہوگیا ۔

نسائی اور ابن مردویہ میں یزید بن ابی مالک کے طریق سے حضرت انسؓ سے موصولا اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کیلئے مسخر کیا جاتا تھا، یہی مضمون حضرت ابوسعید کی حدیث میں بھی ابن اسحاق کے یہاں آیا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ براق دیگر انبیاء علیہم السلام کیلئے بھی سواری کیلئے استعمال ہوتا تھا، ابن دحیہ نے اس سے انکار کیا، اور **فما رکِبَک أکرمُ علی اللّٰہ منہ** (رواہ الترمذی) میں تاویل کی اور کہا اسکا مطلب یہ ہے کہ **ما رکِبَک أحدٌ قط فکیف یرکَبک أکرم منہ**، کوئی تم پر سوار ہی نہیں ہوا کہ آپ سے زیادہ شریف سوار ہو۔

سُہیلی نے جزم کے ساتھ کہا کہ براق نے جو سختی کی وہ اس وجہ سے تھی کہ انبیاء علیہم السلام بہت پہلے اس پر سوار ہوئے تھے، لمبے زمانہ سے کوئی سوار نہیں ہوا تھا۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ زبیدی نے مختصر العینی میں فرمایا: اور صاحب تحریر نے بھی ان کا اتباع کیا کہ انبیاء علیہم السلام براق پر سوار ہوا کرتے تھے، نووی کہتے ہیں



اس کیلئے نقل صحیح کی ضرورت ہے ۔

میں کہتا ہوں (حافظ ابن حجرؒ) میں نے نقل ذکر کردی، اس کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے **فربطتُہ بالحلقةِ التی تربط بھا الأنبیاء**، وثیمہ کی روایت میں ابن اسحاق کی المبتدأ میں یہ لفظ آیا ہے: **فاستصعَبتُ البُراقَ و کانت الأنبیاءُ ترکَبھا قَبلی و کانت بعیدةَ العھد بِرُکوبِھم لم تکن رُکِبَت فی الفترة.**

براق پر مجھے مشکل پیش آئی انبیاء مجھ سے پہلے سوار ہوا کرتے تھے، لیکن زمانہ سے کوئی سوار نہیں ہوا تھا، فترت کا زمانہ خالی گیا۔ (اس لئے اس نے سختی دکھلائی)

ابن عائذ کی مغازی میں زہری کے طریق سے سعید بن المسیبؒ سے یہ منقول ہے: براق وہ جانور ہے جس پر سوار ہو کر ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کی زیارت کو جایا کرتے تھے ۔

طبرانی نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی کے والد سے نقل کیا کہ جبریل براق لائے اور آپ ﷺ کو اپنے آگے سوار کیا ۔

ابویعلی اور حاکم میں ابن مسعود کی مرفوع حدیث ہے کہ میرے پاس براق لایا گیا، میں جبریل کے پیچھے سوار ہوا، ترمذی اور نسائی میں حضرت حذیفہ کی حدیث ہے کہ دونوں برابر براق کی پشت پر سوار رہے، فاکہی اور ازرقی کی کتاب مکہ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام براق پر حج کیا کرتے تھے، سہیلی کی الروض کے شروع میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر اور ان کے بیٹے کو براق پر سوار کیا جب ان کو مکہ لائے ۔

یہ آثار ایک دوسرے کو مضبوط کر رہے ہیں، دوسرے آثار بھی اس کے شاہد

ہیں ، زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں .

صحیح ابن حبان میں ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو براق پر ردیف بنا کر سوار کیا، حارث کی مسند میں روایت ہے کہ براق لایا گیا، آپ جبریل کے پیچھے سوار ہوئے ، براق ان دونوں کولیکر چلا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں براق پر سوار تھے . واللہ اعلم (فتح الباری ۷/۲۰۷)

اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ جبریل صرف قائد یا سائق یا راہبر تھے جیسا کہ ابن دحیہ وغیرہ نے کہا .

ابن المنیّر نے کہا: براق نے جو شیخی دِکھلائی وہ آنحضرت ﷺ کی سواری کی وجہ سے خوش ہو کر ناز میں نہ کہ غصہ کی وجہ سے، اس کی مثال پہاڑ کا حرکت کرنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جا، تیرے اوپر صرف نبی اور صدیق و شہید ہیں. (ایضا)

اس میں اختلاف ہوا کہ آپ براق پر آگے تھے یا پیچھے، جیسا کہ آپ نے دیکھا، آگے ہونا معقول معلوم ہوتا ہے . و اللہ اعلم

حافظ فرماتے ہیں: روایتوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ براق ہی کے ذریعہ آسمان پر گئے اور اسکے اوپر بھی، پھر اسی سے واپس ہوئے، لیکن اس میں نظر ہے.

**حتی أتى السماء الدنيا** کے تحت لکھتے ہیں: اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ براق ہی پر رہے حتی کہ آسمان پر چڑھے، ابن ابی جمرہ کے کلام سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جو ابھی قریب ہی میں گزرا، لیکن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں پر چڑھنا سیڑھی کے ذریعہ ہوا، ابوسعید خدریؓ کی روایت میں یہ بات صراحۃً آئی ہے، یہ روایت ابن اسحاق اور بیہقی کی دلائل میں آئی ہے، اس میں یہ ہے :



میرے پاس ایک جانور لایا گیا خچر کی طرح، دونوں کان تھوڑے چھوٹے تھے، اسکو براق کہا جاتا ہے، مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اس پر سوار ہوا کرتے تھے، میں بھی سوار ہوا، پھر میں اور جبریل بیت المقدس میں داخل ہوئے، میں نے نماز پڑھی، پھر سیڑھی لائی گئی، ابن اسحاق کی روایت میں ہے: آنحضور ﷺ کو فرماتے سنا: جب میں بیت المقدس کے کام سے فارغ ہوا تو سیڑھی لائی گئی ، میں نے اس سے خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی، اُسی کی طرف مردہ اپنی آنکھیں اٹھاتا ہے جب وقت قریب آتا ہے، میرے ساتھی نے اس میں مجھ کو چڑھایا یہاں تک کہ مجھے ایک آسمان کے دروازہ تک لے گیا. الی آخرہ

کعب کی روایت میں یوں ہے: آپ کیلئے ایک سیڑھی چاندی کی اور ایک سیڑھی سونے کی رکھی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اور جبریل چڑھے، شرف المصطفی میں ابو سعید کی روایت میں ہے: جنت الفردوس سے سیڑھی لائی گئی جس میں موتی جڑی ہوئی تھی، دائیں طرف بھی فرشتے تھے اور بائیں طرف بھی، ثابت کی روایت میں حضرت انسؓ سے یہ ہے: براق لایا گیا، میں اس پر سوار ہوا، بیت المقدس گیا، اس حلقہ سے اسکو باندھ دیا جس میں انبیاء کرام باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں گیا اور اس میں دو رکعت پڑھی، پھر نکلا تو جبریل دو برتن لائے، پھر ہم کو آسمان پر چڑھایا.
(مسلم ۱/۹۱)

ابوسعید خدریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا واقعہ ایک ہی ہے.

حضرت حذیفہؓ حلقہ میں براق کے باندھنے سے اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے انکار کرتے تھے جیسا کہ احمد اور ترمذی میں ہے، لیکن مُثبت نافی پر مقدم

ہے ، قالہ البیہقی .

بریدہ کی روایت میں بزار میں ہے کہ شب اسراء میں جبریل بیت المقدس میں صخرہ کے پاس گئے اور انگلی سے اس میں سوراخ کر دیا اور اس سے براق کو باندھ دیا ، ترمذی میں بھی ایسا ہے . (ترمذی ۲ /۱۴۵)

بیہقی میں ابوسعید کی حدیث میں ہے : یہاں تک کہ میں بیت المقدس گیا اور اپنے جانور کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء باندھا کرتے تھے ..... میں اور جبریل بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعت پڑھی .

حضرت حذیفہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے بھی انکار کرتے تھے لیکن روایتیں اس کے خلاف ثابت ہیں ، ابوسعید کی اوپر کی روایت کے علاوہ ابن مسعود کی بھی حدیث ہے جو انکے بیٹے ابوعبیدہ عن ابیہ مروی ہے ، اس میں یہ اضافہ بھی ہے : کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو نبیوں کو دیکھا کہ کوئی کھڑا ہے ، کوئی رکوع میں ہے ، کوئی سجدہ میں ہے ، پھر اقامت ہوئی ، میں نے ان کی امامت کی ، یزید بن ابی مالک کی روایت حضرت انس سے ابن ابی حاتم کے یہاں ہے : کہ تھوڑی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے ، پھر کسی نے اذان دی ، اقامت ہوئی ، ہم صف میں کھڑے ہوگئے ، انتظار تھا کہ کون نماز پڑھائے ، جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو آگے کر دیا ، میں نے ان کو نماز پڑھائی .

مسلم میں ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ نماز کا وقت آگیا تو میں نے نماز پڑھائی ، ابن عباس کی حدیث احمد میں ہے کہ جب مسجد اقصی پہونچے تو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے تو سارے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے ، حضرت عمرؓ کی



حدیث میں بھی احمد میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس داخل ہوئے تو فرمایا: میں وہیں نماز پڑھوں گا جہاں حضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی ، پھر قبلہ کی طرف آگے بڑھے اور نماز پڑھی .

قاضی عیاض فرماتے ہیں : ہوسکتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی ، پھر ان میں سے کچھ آسمانوں پر گئے جن کو وہاں دیکھا ، اور ہوسکتا ہے کہ ان کو نماز پڑھائی اوپر سے آنے کے بعد اوپر والے بھی نیچے آگئے .

کسی اور نے کہا : آسمانوں میں ان نبیوں کو دیکھنا ان کی روحوں کے دیکھنے پر محمول ہے سوائے عیسی علیہ السلام کے ، اسلئے کہ وہ جسم کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں ، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسی بات کہی گئی ہے اور جنہوں نے بیت المقدس میں آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہوسکتا ہے صرف روحیں رہی ہوں یا جسم روح کے ساتھ تھے ، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ بیت المقدس میں نماز پڑھانا اوپر جانے سے پہلے تھا . (فتح الباری ۷/۲۰۹)

ابن کثیر نے تفسیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ نماز پڑھانا آسمان سے اترنے کے بعد ہوا ، اور لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ آسمان سے اترے تو انبیاء بھی آپ کے ساتھ اترے ، اور ان کو نماز پڑھائی جب نماز کا وقت ہوا ، بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے دخول میں نماز پڑھائی لیکن ظاہر یہ ہے کہ واپس آنے کے بعد پڑھائی ، کیونکہ روایتوں میں آیا ہے کہ جب آپ ان انبیاء کی جگہوں سے گزرے تو جبریل علیہ السلام سے ہر نبی کے بارے میں پوچھتے تھے اور جبریل آپ ﷺ کو بتاتے تھے ، یہی آپکی عالی شان کے مطابق تھا ، پہلے آپ بارگاہ عالی میں مطلوب تھے تا کہ اللہ تعالے آپ پر اور آپ

کی امت پر جو کچھ فرض کرنا چاہتے تھے وہ فرض کرلیں جب اس شرافت سے فراغت ہوگئی تو آپ ﷺ اپنے بھائی نبیوں کے ساتھ جمع ہوئے ، پھر اللہ تعالے نے ان کی شرافت اور فضیلت اس طرح ظاہر فرمائی کہ نبیوں کی امامت کروادی ، اور یہ بھی جبریل کے اشارہ سے ہوا . (تفسیر ابن کثیر ۳ / ۲۸)

اس سے پہلے بھی ابن کثیر نے ابن مسعودؓ کی ایک غریب حدیث ذکر کی ، اس کے بعد لکھا: صحیح یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نبیوں کے ساتھ آسمانوں میں جمع ہوئے ، پھر دوبارہ بیت المقدس پہونچے ، یہ انبیاء بھی ساتھ تھے ، ان کو نماز پڑھائی ، پھر براق پر سوار ہوکر مکہ مکرمہ واپس ہوئے . (تفسیر ابن کثیر ۳ / ۲۸)

سوال : نبیوں کو آسمانوں میں کیسے دیکھا ؟ جبکہ ان کے جسم قبروں میں ہیں .

جواب: ان کی روحیں جسم میں تبدیل ہوگئیں یا جسموں کو منتقل کردیا گیا تاکہ آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کریں ، آپ کی تشریف وتکریم کیلئے ، اس کی تائید حضرت انسؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے اس میں یہ آیا ہے: **و بُعث له آدم فمن دونه من الأنبياء،** آپ کیلئے آدم اور ان کے بعد کے انبیاء اٹھا کر بھیجے گئے .
(فتح الباری ۷/ ۲۱۰)

یہی جواب مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کے بارے میں بھی دیا جائیگا .

البتہ عیسی علیہ السلام اس سے مستثنی ہوں گے ، وہ آسمان ہی پر ہیں ، زندہ ہیں ، ہاں مسجد اقصی میں منتقل ہوئے ہوں گے ، ان کو تو اس ملاقات کی وجہ سے صحابی بھی کہہ سکتے ہیں ، حضرت ادریس کے بارے میں بھی ایسی بات کہی گئی ہے ، کما مر

حافظ اصابہ میں لکھتے ہیں: ذہبی نے تدریج میں پہلے لوگوں پر استدراک



کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عیسی بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور حضرت ﷺ کو شب اسراء میں دیکھا اور سلام کیا ، اسلئے صحابی بھی ہیں ، صحابہ میں سب سے آخر میں انتقال ہوگا ، قاضی تاج الدین سُبکی نے اس کو لُغز بنادیا اور شعر کہا ؎

**مَن باتّفاقِ جميعِ الخَلق أفضلُ مِن — خيرِ الصّحاب ِأبى بكرٍ و من عمر**
**و مِن على ومن عثمان و هو فتى — مِن أمّة المصطفى المُختارِ مِن مُضر**

(اصابہ ۵۲/۵ حرف العین ، القسم الاول)

## کیا معراج میں آنحضرت ﷺ نے التحیات پڑھی؟

لوگوں میں یہ بات بہت مشہور ہے اور تاریخ وفقہ اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور بھی ہے کہ :

نبی ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میں جب مجھے آسمان پر پہونچایا گیا تو جبریل نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے رب کو سلام کروں ، میں نے پوچھا کیسے سلام کروں ؟ تو جبریل نے فرمایا: **التـحِيّاتُ للّٰه و الصّلوات و الطَّيبات** کہئے ، میں نے کہا: تو جبریل نے فرمایا: **السّـلام عليک أيّها النّبى ورحمةُ اللّٰه وبركاتُه** ، میں نے کہا : **السّـلامُ عـلينا وعلى عبادِ اللّٰه الصّالحين** ، اس پر جبریل نے فرمایا : **أشهد أن لا اله الا اللّٰه و أشهد أنّ محمداً عبدُه و رسولُه** .

(البنایہ شرح الھدایہ للعینی عن زین الدین الفردوی فی ثواب العبادات ۱/ ۳۰۸)

علامہ عینی مشایخ فقہاء سے یہ نقل کرتے ہیں کہ التحیات کا مطلب یہ ہے کہ قولی

عبادات اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں، اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں، اور صلوات سے مراد بدنی عبادات ہیں، یہ بھی صرف اللہ تعالے ہی کیلئے ہیں، اور طیبات سے مراد مالی عبادات ہیں، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں، کوئی اور اس کا مستحق نہیں۔

یہ ایسے ہے جیسے کوئی بادشاہ کے یہاں جائے تو پہلے سلام اور تعریف پیش کرتا ہے پھر خدمت کیلئے کھڑا ہوتا ہے پھر مال خرچ کرتا ہے (ایسے ہی نبی ﷺ نے کیا)، **السّلامُ علیک أیّها النّبیُّ و رحمةُ اللّٰه و برکاتُه** یہ اللہ تعالے کی طرف سے اپنے نبی ﷺ پر معراج کی رات میں جواب ہے، جب نبی ﷺ نے **التحیّات للّٰه و الصّلواتُ و الطّیّباتُ** فرمایا تو اللہ تعالے نے اس کا جواب **السّلامُ علیک أیّها النّبی و رحمةُ اللّٰه و برکاتُه** سے دیا، آپ نے اپنی امت کو اس میں شامل کرنے کیلئے فرمایا: **السّلام علینا و علی عباد اللّٰه الصّالحین**، پھر فرشتوں نے یہ گفتگو سنی تو خوش ہوئے اور فرمایا: **أشهدُ أن لا الٰه الا اللّٰه و أشهدُ أنّ محمداً عبده و رسولُه**. (ایضا)

ان دونوں روایتوں میں کچھ اختلاف نظر آ رہا ہے۔

علامہ کشمیریؒ نے فرمایا: یہ قصہ الروض الأنف میں بھی مذکور ہے، لیکن سند معلوم نہیں (العرف الشذی تقریر ترمذی ۱۰۷/۱ اور دیکھئے تفسیر ثعلبی ص ۱۳ سورۂ اسراء)

درمختار میں لکھا ہے کہ تشہد کے الفاظ نماز میں ہم کو اپنی طرف سے انشاءً پڑھنا ہے، اِخبار اور قصہ کے طور پر نہیں، ہم اللہ تعالے سے کہہ رہے ہیں: **التحیات للّٰه و الصلوات و الطیبات**، اور نبی ﷺ پر اور اپنے اوپر اور اولیاء اللہ پر سلامتی کی دعا کر رہے ہیں: **السّلامُ علیک أیّها النّبی و رحمةُ اللّٰه و برکاتُه السّلام علینا**



**و علی عباد اللّٰه الصّالحین**، اور ہم کہہ رہے ہیں: **أشهدُ أن لا الٰه الا اللّٰه و أشهدُ أنّ محمداً عبده و رسولُه**، مجتبیٰ میں اس کو ذکر کیا ہے، اس کا ظاہر یہ ہے کہ علینا کی ضمیر حاضرین کیلئے ہے، یہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سلام کی نقل ہے۔ (رد المحتار مع الدر المختار ۳۴۲/۱ مکتبۂ نعمانیہ دیوبند)

## تشہد میں السلام علیک میں خطاب کی توجیہ:

**السّلام علیک أیُّها النّبی** میں خطاب کا صیغہ کیوں آیا؟ علامہ طیبیؒ نے اس پر ایک نکتہ اہل معرفت کے طریقہ پر بیان کیا، طیبی فرماتے ہیں:

ہم بعینہ نبی ﷺ کے سکھائے ہوئے الفاظ کا اتباع کرتے ہیں، اور اہل عرفان کے طریقہ پر ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جائے: مسلمانوں نے التحیات کے ذریعہ جب بارگاہ الٰہی کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کو مقام قرب میں دخول کی اجازت ملی اور مناجات کا شرف حاصل ہوا اور دل خوش ہوا تو فوراً تنبہ ہوا کہ یہ مقام قرب نبی ﷺ کے واسطے سے اور آپ کی اتباع کی برکت سے نصیب ہوا، متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ اللہ تعالے کے محبوب اپنے محبوب کے دربار میں حاضر ہیں تو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: **السّلامُ علیک أیّها النّبی و رحمةُ اللّٰه و برکاتُه**.

(فتح الباری ۳۱۴/۲، عمدۃ القاری ۱۱۱/۶، بذل المجہود ۱۱۷/۲ لیتھو)

**ایک تنبیہ**: بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ جب تک حیات تھے ہم لوگ السلام علیک کہا کرتے تھے، جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم نے کہا: السلام علی، یعنی علی النبی ﷺ.

(بخاری ۲/۹۲٦ باب الأخذ بالیدین)

ہمارے نسخہ میں ایسے ہی ہے: (السلام علیٰ یعنی)، لیکن فتح الباری، عمدۃ القاری اور امیر یہ وغیرہ میں السلام، یعنی علی النبی ﷺ ہے، السلام کے بعد علیٰ نہیں ہے ۔

یعنی امام بخاری کا لفظ ہے، حافظ لکھتے ہیں: اس حدیث کو ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں، سراج نے، جوزقی، ابونعیم اصبہانی اور بیہقی نے متعدد طرق سے ابونعیم امام بخاری کے شیخ سے نقل کیا ہے، اس میں یہ لفظ ہے: **فلمّا قُبض قلنا السلام علی النبی**، لفظ یعنی کے بغیر، اسی طرح ابن ابی شیبہ نے بھی ابونعیم سے ذکر کیا ہے ۔

عبد الرزاق نے حضرت عطا سے نقل کیا ہے کہ صحابہؓ نبی ﷺ کی زندگی میں **السلام علیک أیها النبی** کہا کرتے تھے، انتقال کے بعد **السلام علی النبی** کہا، سند اس کی صحیح ہے ۔ (فتح الباری ۲/۳۱۴)

علامہ انور شاہ کی تقریر فیض الباری میں ہے کہ امت نے اس پر عمل نہیں کیا جیسا کہ سبکی نے شرح منہاج میں اس کو ذکر کیا ۔

بعض نے جو عمل بالحدیث کا دعوی کرتے ہیں اس سے استدلال کیا، اور ذہن میں بیٹھا لیا، حالانکہ اس میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔

کیا نبی ﷺ کی زندگی میں خطاب صرف مسجد نبوی میں تھا؟ بقیہ مسجدوں اور دوسرے شہروں میں کیا تھا؟ کیا مسجد نبوی میں آپ کو سنا کر جہراً تشہد پڑھتے تھے؟ یا سراً پڑھتے تھے؟ اسلئے موت وحیات میں کیا فرق پڑے گا؟ بعض نے اگر اس پر عمل کیا ہو تو یہ انکا اجتہاد ہے، امت نے طبقۃً بعد طبقۃ خطاب پر عمل کیا ہے ۔ (فیض الباری ۴/۴۱۲) اسی طرح عمل جاری ساری ہے ۔



# اسراء اور معراج کے کچھ اور واقعات

ابن کثیر نے تفسیر میں اسراء و معراج کی بہت سی روایات ذکر کرنے کے بعد (فائدةٌ حَسَنةٌ جليلةٌ) کے نام سے یہ واقعہ لکھا: حافظ ابونعیم اصبہانی نے دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کے طریق سے یہ واقعہ نقل کیا، وہ اس کو مالک بن ابی الرجال سے اور وہ عمر بن عبداللہ اور وہ محمد بن کعب قرظی سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو قیصر کے پاس بھیجا، وہ وہاں پہونچے اور اس سے ملے، اس قصہ میں قیصر ہرقل کی سمجھداری کی بڑی دلیل ہے،، اس نے شام میں جو تجار تھے ان کو بلوایا، ابوسفیان صخر بن حرب اور ان کے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے آنحضور ﷺ کے مشہور واقعات کے متعلق پوچھا، ابوسفیان کوشش کر رہے تھے کہ آنحضور ﷺ کی تحقیر کریں اور آپ کے مرتبہ کو معمولی بتائیں، لیکن خود ہی کہتے ہیں: واللہ میں کوئی بات آپ کے خلاف ایسی نہ کہہ سکا جس سے آپ کو اس کی آنکھوں سے گراؤں، اسلئے کہ مجھے ڈر تھا کہ کوئی جھوٹ بولوں اور وہ مجھے پکڑ لے، پھر وہ میری کوئی بات نہیں مانے گا، کہتے ہیں کہ میں نے ہرقل سے لیلۃ الاسراء کی بات کی، میں نے کہا بادشاہ سلامت! میں آپ کو ایسی خبر سناتا ہوں جو ہمارے خیال میں جھوٹ ہے، پوچھا وہ کیا؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ وہ ہماری زمین حرم سے ایک رات نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں آئے اور صبح سے پہلے ہمارے یہاں مکہ واپس ہوگئے، ابوسفیان کہتے ہیں: اس وقت بیت المقدس کا بطریق (پادری) اس

کے قریب ہی تھے، اس نے کہا وہ رات میں جانتا ہوں، قیصر نے انکی طرف دیکھا اور پوچھا کیسے جانتے ہو؟ اس نے کہا: میں رات کو سوتا نہیں جب تک مسجد کے سب دروازے بند نہ کردوں، اس رات میں نے سب دروازے بند کردیئے، ایک بند نہیں ہوا، ہم اسکو حرکت نہیں دے سکے گویا کہ ہم پہاڑ ہٹا رہے ہیں، میں نے بڑھئی لوگوں کو بلایا، انھوں نے دیکھ کر کہا: اس پر دروازہ کے اگلے حصہ اور بلڈنگ کا بوجھ آگیا ہے، اس وقت حرکت نہیں دے سکتے، صبح کو دیکھیں گے کہ یہ بوجھ کہاں سے آیا، میں واپس چلا گیا اور دونوں کواڑ کھلا چھوڑ دیا، صبح کو وہاں گیا تو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں جو پتھر تھا اس میں سوراخ ہے اور اس میں جانور کے باندھنے کا اثر ہے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: رات کو یہ دروازہ کسی نبی کیلئے روکا گیا تھا، انھوں نے رات کو آکر یہاں نماز پڑھی، اور پوری حدیث ذکر کی. (تفسیر ابن کثیر سورۃ اسراء ۳/۴۰)

ابن کثیر نے واقدی کی یہ روایت بغیر کسی ردوقدح کے ذکر کی، ایک واقعہ کی حیثیت سے اس کو صحیح سمجھا اور اس کو اچھا بڑا نکتہ قرار دیا.

بعض لوگ کہتے ہیں کہ واقدی جھوٹا تھا، اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں، واقدی کے بارے میں تضعیف بھی ہے اور توثیق بھی، بعض نے اس کو امیر المؤمنین فی الحدیث بھی کہا، بعض نے ثقہ کہا اور اس کی حدیث کی تحسین کی جیسا کہ بعض نے جھوٹا، واضع حدیث اور ضعیف کہا. (دیکھئے امانی الاحبار ۱/۱۳ اور رجال کی کتابیں مثلاً تہذیب التہذیب ابن حجر ۹/۳۱۵)

امام مالکؒ نے خیبر کے ایک واقعہ میں واقدی کی بات قبول کی (امانی)



اسلئے ابن کثیر نے بھی اس روایت کو قبول کیا، تاریخی واقعات میں ان کا قول معتبر ہوتا ہے.

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں متعدد جگہوں پر واقدی کی باتیں تاریخی واقعات میں نقل کی ہیں اور کوئی تردید نہیں کی، بلکہ تسلیم کے طور پر، بعض جگہوں پر اس کو تحقیق بھی لکھ دیا، تحویل قبلہ کی بحث میں یہ لکھا کہ تحقیق یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مسجد بنی سلمہ (مسجد القبلتین) میں واقع ہوا. (فتح الباری ۱/۹۷ باب الصلوۃ من الایمان)

نبی ﷺ نے ام بشر بن براء بن معرور کی بنی سلمہ میں زیارت کی، انھوں نے کھانہ تیار کیا اور ظہر کا وقت آگیا، آپ نے صحابہ کو دو رکعت پڑھائی، پھر (تحویل کا) حکم ملا اور کعبہ کا استقبال کرلیا، میزاب کو سامنے کرلیا، اسلئے اس مسجد کا نام مسجد القبلتین ہوگیا، ابن سعد نے کہا کہ واقدی نے اس کو اثبت کہا (یہ زیادہ ثابت ہے). (فتح الباری ۱/۵۰۳ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان)

مقدمہ اعلاء السنن میں ہے کہ واقدی کے بارے میں صحیح توثیق ہے، شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب (الامام) میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ ابو الفتح حافظ (ابن سیّد الناس) نے اپنی کتاب (المغازی والسیَر) جو (عیون الأثر کے نام سے مشہور ہے) میں توثیق اور تضعیف کرنے والوں کے اقوال جمع کئے ہیں اور توثیق کو ترجیح دی ہے اور مخالفین کے جوابات دئے ہیں.

ابن الھمام نے فتح القدیر ۵/۴۹ میں واقدی کو حسن الحدیث کہا ہے.

(مقدمہ اعلاء السنن ۳۴۹ طبع ادارۃ القرآن پاکستان)

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں واقدی کو الحافظ البحر لکھا اور یہ کہ مِن

**أوعِية العلم**، علم کے برتنوں میں سے تھا، لیکن حدیث میں مُتقِن نہیں تھا، مغازی اور سِیَر میں چوٹی کا آدمی تھا، **و ھو رأس فی المغازی و السِیر** ، ہر قسم کے لوگوں سے روایت لیتا تھا . ( تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۵۶ )

یہ بھی لکھا کہ میں نے اس کا تذکرہ نہیں لکھا اسلئے کہ اس کی حدیث کے ترک پر محدثین کا اتفاق ہے . ( ایضا )

ہمارے استاذ حضرت علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے واقدی کی طرف سے کچھ مدافعت کی ہے کہ حدیث گھڑنے کا الزام اس پر صحیح نہیں، بعض سندوں کے بارے میں کچھ کلام ہے، اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اس کی حدیث کے ترک پر اتفاق ہے، متعدد محدثین نے اس کی توثیق کی ہے، جیسا کہ تہذیب ابن حجر سے ظاہر ہے .

متاخرین نے امام بخاری وغیرہ کی تقلید اعمی میں یہ بات کہنا شروع کردیا کہ اس کے ترک پر اتفاق ہے، ذہبی نے بھی لکھ دیا جو صحیح نہیں ہے .

خود ذہبی نے یہ لکھا کہ حدیث میں مُتقِن نہیں تھا، مغازی اور سیر میں چوٹی کا آدمی تھا. ( دیکھئے المآثر شمارہ (۱) جلد (۱۴) ص ۸۴ )

ابن سعد صاحب طبقات واقدی کے کاتب اور شاگرد نے فرمایا: واقدی مغازی، سیرت، فتوحات اور حدیث واحکام میں لوگوں کے اختلاف اور اجتماع کے عالم تھے .

خطیب نے فرمایا: مشرقی جانب کے قاضی رہے، پوری زمین میں ان کی شہرت ہوئی، سخی اور فیاض آدمی تھے. ( تفصیل کیلئے دیکھئے تہذیب التہذیب ۹/۳۱۶ )



# اسراء کے کچھ اور واقعات

## حضرت انسؓ کی حدیث :

مشکوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسراء کی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں، جو لوگوں کو اچھی باتیں بتاتے تھے اور بری باتوں سے روکتے تھے اور اپنے کو بھول جاتے تھے، شرح السنہ میں اس کو نقل کیا .

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو ذکر کیا، ان کی روایت میں یوں ہے: یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، کتاب اللہ پڑھتے ہیں مگر جانتے نہیں. ( مشکوۃ ۴۳۸ ) ( شیخ البانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے )

مشکوۃ ص ۴۱۰ پر بھی یہ حدیث مختصرا حضرت انسؓ سے مذکور ہے، اور ترمذی کا حوالہ ہے اور لکھا ہے کہ ترمذی نے اس کو غریب حدیث کہا ہے، ( لیکن البانی کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ حدیث ترمذی میں نہیں ملی، مسند احمد میں ضعیف سند سے مروی ہے . ( حاشیہ مشکوۃ )

امام سیوطیؒ نے بھی خصائص کبری میں ابن مردویہ کے حوالہ سے اس حدیث کو ذکر کیا. ( خصائص ۱/۲۵۹ طبع دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۳ھ )

## حضرت شداد بن اوسؓ کی حدیث :

شداد بن اوسؓ کی حدیث ابن ابی حاتم ،بیہقی ، بزار اور طبرانی نے ذکر کی ہے،بیہقی نے اس کی تصحیح بھی کر دی ہے،لیکن ابن کثیر تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض باتیں صحیح ہیں اور بعض منکر ہیں، جیسے بیت اللحم میں نماز پڑھنا اور حضرت صدیقؓ کا بیت المقدس کے بارے میں سوال کرنا اور اسکے علاوہ ، واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۵)

امام سیوطی نے خصائص کبری میں اس کو ذکر کیا اور کوئی تنقید نہیں کی ، اوپر کی کتابوں کا حوالہ دیا. (۱/۲۶۲)

مولانا ادریس کاندھلویؒ نے بھی سیرت مصطفی ﷺ میں بغیر کسی تنقید کے اس کو ذکر کیا . (۱/ ۲۹۱)

مختصراً وہ یوں ہے: حضرت شدادؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو کیسے سیر کرائی گئی ؟ فرمایا: میں نے اپنے ساتھیوں کو عشاء کی نماز دیر سے پڑھائی [۱] پھر جبریل ایک سفید جانور لائے ، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا، اس نے شرارت کی تو اس کے کان کو گرم کیا، اور مجھے اس پر سوار کیا، وہ مجھ کو لیکر چلا، اس کا پاؤں اس کی نگاہ پر پڑتا تھا، ہم ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں کھجور کے درخت تھے، مجھے اتارا اور فرمایا: یہاں نماز پڑھیئے ، میں نے پڑھی ، پھر سوار ہوا ، پوچھا جانتے ہیں کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا : واللہ اعلم ،فرمایا آپ نے یثرب میں طیبہ میں نماز پڑھی .

پھر میں اسی طرح تیز رفتاری کے ساتھ چلا، ایک زمین پر پہونچے ، نماز پڑھنے کا حکم ہوا، نماز پڑھی ، فرمایا: یہ مدین میں موسی علیہ السلام کے درخت کی جگہ تھی ، ، پھر اسی طرح بیت اللحم میں نماز پڑھنا مذکور ہے، جہاں عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے ، پھر مجھے لیکر چلے، ہم ایک شہر میں اسکی داہنی جانب سے داخل ہوئے ،قبلہ کی طرف گئے اور جانور کو باندھا، مسجد میں اس دروازہ سے داخل ہوئے جدھر سورج اور چاند مائل ہوتے ہیں ، میں نے مسجد میں اللہ تعالی نے جہاں چاہا نماز پڑھی ، وہاں مجھے بہت سخت پیاس لگی ، میرے پاس دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ ، دوسرے میں شہد تھا، میں نے دونوں کو برابر سمجھا، پھر اللہ تعالی نے مجھے ہدایت دی میں نے دودھ کو پیا حتی کہ میری پیشانی پر پسینہ آ گیا، میرے سامنے ایک شیخ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا: آپکے ساتھی نے فطرت کو لیا انکو ہدایت ملے گی ، پھر مجھ کو لیکر چلے، ہم اس وادی میں پہونچے جس میں شہر ہے، وہاں جہنم نظر آ رہی ہے ٹیلوں کی طرح ، میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپنے جہنم کو کیسا پایا؟ فرمایا: میں نے اسکو مثل الحمۃ السخنۃ کالے گرم کوئلے کیطرح پایا [۱]

پھر مجھے لیکر پھرے، ہم قریش کے ایک قافلہ کے پاس سے گزرے، فلاں فلاں جگہ انھوں نے ایک اونٹ گم کر دیا تھا، فلاں نے اس کو روک رکھا تھا، میں نے ان کو سلام کیا، ان میں سے بعض نے کہا: یہ محمد (ﷺ) کی آواز ہے، پھر صبح سے قبل مکہ مکرمہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ گیا.

ابو بکر میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے حضرت ! آپ رات کو کہاں تھا؟ میں نے آپ کو ڈھونڈا ، فرمایا: میں یہ جانتا ہوں کہ رات کو بیت المقدس گیا تھا، کہا: یا رسول اللہ وہ تو ایک مہینہ کی مسافت پر ہے، ذرا بیان کیجئے ،فرمایا: میرے لئے راستہ

---

[۱] اس میں غور کرنا چاہیئے ،معراج سے قبل عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنا، یہ کیسے ہوگا؟



---

[۱] الحُمَمہ کا معنی کوئلہ، راکھ اور سیاہی کے ہیں، سَخِنہ کے معنی گرمی اور بخار کے ہیں . المنجد

کھول دیا گیا گویا کہ دیکھ رہا ہوں جو بات بھی پوچھتے بتا دیتا، ابوبکر نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالے کے رسول ہیں.

مشرکین نے کہا :ابن ابی کبشہ کو دیکھئے کہتا ہے کہ رات کو بیت المقدس جا کر آ گیا، فرمایا: میری بات کی علامت یہ ہے کہ میں تمہارے تجارتی قافلہ کے پاس سے گزرا، فلاں فلاں جگہ انھوں نے ایک اونٹ گم کردیا ہے جو فلاں کے پاس ہے، وہ فلاں فلاں منزلوں سے گزرتے ہوئے فلاں دن یہاں پہونچیں گے، آگے ایک گندمی رنگ کا اونٹ ہوگا اس کے اوپر کالا ٹاٹ اور دو کالے تھیلے ہوں گے.

جب وہ دن آیا تو لوگ دوپہر کے قریب باہر دیکھنے کیلئے نکلے، وہ قافلہ آیا اور اس میں وہ پہچان تھی جو نبیﷺ نے بتائی تھی کہ آگے آگے وہ خاص اونٹ ہوگا .

(خصائص کبری ۱/۲۶۳، ابن کثیر ۳ /۲۴)

ابن کثیر لکھتے ہیں: بیہقی نے اسی طرح ابواسماعیل ترمذی سے دو طریق سے ذکر کیا، پھر اس کے بعد فرمایا کہ یہ صحیح اسناد ہے، دوسروں کی احادیث میں یہ باتیں ٹکڑے ٹکڑے مذکور ہیں، ہم ان میں سے ان شاء اللہ جو یاد آرہی ہیں ان کو ذکر کریں گے، پھر بہت سی احادیث اسراء میں ذکر کیں اس حدیث کی تائید میں.

اس حدیث کو اسی طرح لمبی امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اسحاق بن ابراہیم بن العلاء زبیدی سے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ یہ حدیث بہت سی باتوں پر مشتمل ہے، ان میں بعض صحیح ہیں جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا اور بعض منکر ہیں جیسے بیت اللحم میں نماز پڑھنا، اور صدیق اکبر کا بیت المقدس کے متعلق سوال کرنا، وغیر ذالک، واللہ اعلم . (تفسیر ابن کثیر ۳ /۲۵)



# ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث

اس میں غرابت ہے (ابن کثیر ۲۹)

امام ابوجعفر طبری نے سورۃ سبحان کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

ابوجعفر رازی نے اسکو ربیع بن انس سے، انھوں نے ابوالعالیہ ریاحی سے، انھوں نے ابوہریرہ یا کسی اور سے (ابوجعفر کو شک ہے) نقل کیا ہے، انھوں نے آنحضورﷺ سے .

دوسری سند میں ابوجعفر رازی، ربیع بن انس سے انھوں نے ابوالعالیہ سے یا ان کے سوا سے انھوں نے ابو ہریرہ سے (ابوجعفر کو شک ہوا).

ابن ابی حاتم نے بھی اس کو ذکر کیا عیسی بن عبداللہ تمیمی سے، انھوں نے ابوجعفر رازی سے، انھوں نے ربیع بن انس بکری سے، انھوں نے ابوالعالیہ یا ان کے سوا سے (عیسی کو شک ہوا)، انھوں نے ابوہریرہ سے، انھوں نے آنحضرتﷺ سے.

ابن کثیر پوری روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ابوجعفر رازی کے بارے میں حافظ ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں کہ انکو حدیث میں بہت وہم ہوتا ہے، دوسروں نے بھی ان کی تضعیف کی ہے، بعض نے توثیق بھی کی ہے، ظاہر یہ ہے کہ ان کا حافظہ خراب ہے، اسلئے جس مضمون کو وہ تنہا بیان کرتے ہیں اس میں نظر ہے، اس حدیث کے بعض الفاظ میں غرابت اور سخت نکارت ہے، اس میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو صحیح بخاری میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں جو آنحضرتﷺ کے خواب سے متعلق ہے مذکور ہیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ حدیث مختلف احادیث یا خواب یا

اسراء کے علاوہ دوسرے قصہ کے مجموعہ سے تیار کی گئی ہے، واللہ اعلم. (تفسیر ابن کثیر ۳/۳۵)

ہم اس روایت کے بعض مضامین نقل کرتے ہیں:

(۱)۔ آپ کا گزر ایسی قوم سے ہوا جو کھیتی کر رہی ہے، ایک دن کھیتی لگاتے ہیں دوسرے دن کاٹتے ہیں، کاٹنے کے بعد وہ کھیتی پھر تیار ہو جاتی ہے، جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں، ان کی نیکیاں سات سو (۷۰۰) گنا تک جاتی ہیں، جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالے ان کو اس کا بدل دیتے ہیں، وہ بہترین روزی دینے والا ہے.

(۲)۔ آپ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے، کچلے جانے کے بعد پھر وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں، پھر کچلا جاتا ہے، سلسلہ جاری ہے، جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ فرض نماز سے غفلت کرنے والے ہیں.

(۳)۔ پھر آپ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کی اگلی پچھلی شرمگاہوں پر کپڑے ہیں، اونٹ اور جانوروں کی طرح چر رہے ہیں، ضریع اور زقوم (جہنم کے پھل) اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں، جبریل نے بتایا: یہ لوگ اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دیتے تھے، اللہ تعالی نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، اللہ تعالی کسی بندے پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتے.

(۴)۔ پھر آپ کا گزر ایسی قوم سے ہوا جن کے سامنے ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور دوسری خبیث ہانڈی میں کچا گوشت ہے، یہ لوگ عمدہ پکا ہوا گوشت چھوڑ کر خبیث کچا گوشت کھا رہے ہیں، جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے پاس حلال بیوی ہے اس کو چھوڑ کر خبیث عورت کے



پاس جاتا ہے، اس کے ساتھ رات بھر صبح تک رہتا ہے، اور وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کے پاس سے اٹھتی ہے جو اس کیلئے حلال طیب ہے اور خبیث آدمی کے پاس جاتی ہے اور رات بھر صبح تک اس کے پاس رہتی ہے.

۵۔ پھر آپ کا گزر ایسی لکڑی سے ہوا جو راستہ میں پڑی ہوئی ہے، وہاں سے کوئی کپڑا، کوئی چیز گزرتی ہے تو اس کو پھاڑ دیتی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا جبریل! یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ آپ کی امت کے ایسے لوگ ہیں جو راستوں میں بیٹھتے ہیں اور لوگوں کو نقصان پہونچاتے ہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: **و لا تَقعُدُوا بِكُلِّ صِراطٍ تُوعِدون و تصدُّون**. (اعراف: ۸۶) (ترجمہ: اور مت بیٹھو ہر راستہ پر لوگوں کو ڈراتے ہوئے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہوئے).

۶۔ پھر آپ کا گزر ایک آدمی کے پاس ہوا جس نے لکڑی کا بڑا گٹھر جمع کر رکھا ہے، اس کو اٹھانا چاہتا ہے لیکن اٹھتا نہیں، جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس پر لوگوں کی امانتیں ہیں، ان کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کو لادے رکھے.

۷۔ پھر آپ کا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، جب کاٹے جاتے ہیں فورا وہ صحیح ہو جاتے ہیں، ذرا دیر نہیں لگتی، جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ فتنے کے خطباء ہیں.

۸۔ پھر ایک چھوٹے سوراخ سے گزر ہوا جس میں بڑا بیل نکل رہا ہے، بیل نکلنے کے بعد دوبارہ اس سوراخ میں واپس جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا، جبریل نے پوچھنے پر بتایا: یہ آدمی بڑی بات (گناہ کی) بولنے کے بعد شرمندہ ہوتا ہے لیکن اسکو

واپس نہیں لے سکتا .

۹۔ پھر ایک وادی سے گزر ہوا، وہاں اچھی ٹھنڈی ہوا اور مشک کی خوشبو محسوس ہوئی، آواز بھی سنی، جبریل نے بتایا: یہ جنت کی آواز ہے کہتی ہے: اے میرے مالک! جو وعدہ کیا ہے پورا کیجئے، میرے پاس بہت کمرے ہیں، استبرق، حریر اور سندس ہے، قالین اور موتی ہے، مرجان، چاندی، سونا ہے، پیالے، پلیٹ، لوٹے، گلاس ہیں، شہد، پانی، دودھ اور شراب ہے، مجھے وعدہ کے مطابق دیجئے .

اللہ تعالے نے فرمایا: تیرے لئے ہر مسلم مرد وعورت ہے، ہر مؤمن ومؤمنہ ہے، جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا، میرے سوا کسی کو میرا برابر نہیں قرار دیا، جو مجھ سے ڈرے گا وہ اطمینان سے رہے گا، جو مجھ سے مانگے گا میں اسکو دوں گا، جو مجھے قرضہ دے گا میں اسکو بدلہ دوں گا، جو میرے اوپر بھروسہ کرے گا میں اس کا کام کردوں گا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الہ نہیں، میں وعدہ خلافی نہیں کرتا، مؤمنین کامیاب ہیں، اللہ تعالیٰ بہترین خلق کرنے والے، برکت والے ہیں .

جنت نے کہا: میں اس پر راضی ہوں .

۱۰۔ پھر ایک وادی پر گزر ہوا وہاں ایک ناپسندیدہ آواز سنی اور بدبودار ہوا پائی، جبریل نے پوچھنے پر بتایا: کہ یہ آواز جہنم کی آواز ہے، کہتی ہے: اے میرے مالک! مجھے وعدہ کے مطابق دیجئے، میرے پاس زنجیریں اور طوق بہت ہیں، میری بھڑک اور گرمی بہت ہے، ضریع، غسّاق، اور عذاب بہت ہیں میری گہرائی دور ہے، میری گرمی سخت ہے، مجھے وعدہ کے مطابق دیجئے .



اللہ تعالے نے فرمایا: تیرے لئے ہر مشرک مرد اور عورت ہے، کافر اور کافرہ ہے، خبیث اور خبیثہ ہے، ہر ظالم ہے جو حساب کے دن پر یقین نہیں رکھتا .

جہنم نے کہا: میں راضی ہوں .

## بیت المقدس میں نزول مقدس :

پھر چلے اور بیت المقدس پہونچے اپنا گھوڑا (شاید براق) صخرہ سے باندھ دیا، اندر گئے، فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد فرشتوں نے جبریل سے پوچھا: یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ، پوچھا گیا: بلائے گئے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان خلیفہ اور بھائی کو زندہ رکھیں، اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں، اچھا آنا آئے .

فرمایا: پھر نبیوں کی روحوں سے ملے، انھوں نے اللہ تعالے کی تعریف میں یہ فرمایا:

**ابراہیم علیہ السلام کی تحمید**: ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح تحمید کی:

**الحمدُ للّٰہ الذی اتّخَذَ نی خَلیلاً و أعطانی مُلکاً عظیماً ، و جعلَنی أمّۃً قانتاً یُؤتمُّ بی ، و أنقذَنی منَ النّار و جعلَها علَیّ بَرداً و سلاماً**

شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے بڑی بادشاہت دی، مجھے ایسی فرمانبردار امت بنایا جس کی پیروی کی جاتی ہے، اور مجھے آگ سے بچایا، اس کو میرے اوپر ٹھنڈی اور سلامتی بنادیا .

**موسیٰ علیہ السلام کی تحمید**: موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح اللہ تعالے کی تعریف کی:

**الحمد للّٰہ الّذی کلّمَنی تکلیماً ، و جعلَ ہلاکَ آلِ فرعونَ و نجاۃَ**

**بنی اسرائیلَ علی یدِی و جعلَ من أمّتی قوماً یَهدُون بِالحقّ و بِه یَعدِلُون .**

حمد ہے اس ذات کی جس نے مجھ سے بات کی (براہ راست)، اور آل فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھوں پر ظاہر فرمائی، اور میری امت میں ایک جماعت بنائی جو راہ حق کی رہنمائی کرتی رہے گی اور حق کے مطابق فیصلہ بھی کرتی رہے گی ۔

**داؤد علیہ السلام کی تحمید** : داؤد علیہ السلام نے یوں فرمایا:

**الحمد للّٰه الّذی جعَل لی مُلکاً عظیماً و علّمَنی الزَّبور، و اَلانَ لِی الحدیدَ ، و سخَّرَ لی الجبالَ یُسبّحنَ و الطَّیر ، و أعطانی الحِکمةَ و فصلَ الخِطاب .**

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے مجھے بڑی بادشاہت دی، مجھے زبور سکھائی، اور میرے لئے لوہے کو گرم کیا، پہاڑوں اور پرندوں کو میرا تابع کردیا کہ میرے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں، مجھے حکمت اور فیصلہ کن خطاب کی توفیق عطا فرمائی ۔

**سلیمان علیہ السلام کی تحمید** : سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

**الحمدُ للّٰه الّذی سَخّر لی الرِّیاحَ ، و سخّر لی الشّیاطِین یَعملُونَ لی ما شِئتُ مِن مَحاریبَ و تَماثیلَ و جِفانٍ کَالجَوابِ و قُدورٍ رّاسِیات ، و عَلَّمَنی مَنطِقَ الطَّیر ، و آتانی مِن کُلِّ شَیءٍ فَضلاً ، و سَخّر لی جُنودَ الشّیاطین و الاِنس والطّیر، وفضّلَنی علی کثیرٍ من عبادِه المُؤمنین ، و آتانی مُلکاً عظیماً لا یَنبغی لأحدٍ مِن بَعدی ، و جعلَ مُلکِی ملکاً طیّباً لیس فیه حساب .**



تعریف ہے اس اللہ کی جس نے میرے لئے ہواؤں کو مسخر کردیا اور شیاطین کو بھی میرے لئے مسخر کردیا، جو میں چاہتا ہوں میرے لئے بناتے ہیں، محرابیں (قلعے) مجسمے اور پیالے حوض کی طرح اور ایک جگہ پر ٹھہرنے والی ہانڈیاں، اور مجھے پرندوں کی بولی سکھادی، ہر قسم کی فضیلت مجھ کو دیدی، شیاطین، انسان، فرشتوں اور پرندوں کا لشکر میرے تابع کردیا اور مجھے اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت دیدی، اور مجھے ایسی بڑی بادشاہت دیدی جو میرے بعد کسی کیلئے مناسب نہیں، اور میری بادشاہت ایسی پاکیزہ بنائی کہ اس میں حساب نہیں ہے ۔

**عیسی علیہ السلام کی حمد** : عیسی علیہ السلام نے یوں حمد کی :

**الحمد للّٰه الّذی جعلَنی کلِمتَه وجعَل مَثلی کمثَل آدمَ خلقَه من تُرابٍ ثم قال له کُن فیکون ، وعلّمنی الکتابَ و الحکمةَ و الانجیلَ و جعَلَنی أخلُقُ منَ الطِّین کهیئةِ الطَّیرِ أنفُخُ فیه فیکونُ طیراً باذنِ اللّٰه و جعلنی أُبرِئُ الأکمهَ و الأبرصَ و أُحیِ المَوتیٰ باذنِ اللّٰه و رفَعَنی و طَهَّرَنی و أعاذَنی و أمِّی منَ الشّیطان الرّجیم فلم یکُن للشّیطان علینا سبیل .**

حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، اور میری مثال آدم علیہ السلام کی طرح بنائی کہ ان کو مٹی سے بنایا پھر فرمایا: ہوجاؤ، تو وہ ہوگئے، اور مجھے کتاب سکھائی، حکمت، تورات اور انجیل بھی سکھائی، مجھے یہ صلاحیت دی کہ میں مٹی سے پرندہ کی طرح بناتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور مجھے ایسا بنایا کہ میں اللہ تعالی کے حکم سے پیدائشی نابینا کو اور سفید داغ کی بیماری والے کو اچھا کردیتا ہوں، اور مُردوں

کوزندہ کر دیتا ہوں، اوراللہ تعالےٰ نے مجھے اوپر اٹھالیا، اور مجھے پاک کیا، مجھے اورمیری ماں کو مردود شیطان سے محفوظ رکھا، شیطان کا ہمارے اوپر کوئی تصرف نہیں ہوا .

**محمد ﷺ کی تحمید:** پھر محمد ﷺ نے اپنے رب کی یوں تعریف کی، فرمایا:

آپ سب نے اپنے رب کی تعریف کی، میں بھی اپنے رب کی تعریف کر رہا ہوں، فرمایا: **الحَمدُ للّٰہ الّذِی أَرسَلَنِی رحمةً للعالَمین و کافّةً للنّاسِ بَشیراً و نَـذیـراً و أنزلَ علیّ القرآنَ فیه بیانُ کلِّ شَیءٍ ، و جعَل أمّتی خیرَ أمّةٍ أُخرجَت للنّاسِ و جعلَ أمّتی أمّةً وسطاً و جعَل أمّتی همُ الاوّلین و هم الآخرین ، و شرَحَ لی صَدرِی و وضَعَ عنّی وِزرِی ، و رفَعَ لی ذِکرِی و جعلَنی فاتحاً و خاتماً ، فقال ابراهیم** علیه السلام **: بهذا فضَلَکم محمدٌ** ﷺ **، قال أبو جعفر الرازی : خاتم بالنبوة فاتح بالشفاعة یوم القیامة .**

حمد ہے اس اللہ کی جس نے مجھے سارے عالموں کے لئے رحمت بنایا، اور سارے انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنایا، اور میرے اوپر قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، اور میری امت کو سب سے بہتر امت بنایا جو تمام لوگوں کے نفع کیلئے بھیجی گئی ہے، اور میری امت کو درمیانی امت بنایا، میری امت ہی اول و آخر ہے، اور میرے سینہ کو کھولا اور میرے بوجھ کو ہلکا کیا، میرے ذکر کو بلند کیا، مجھے فاتح (شروع کرنے والا) اور خاتم (ختم کرنے والا) بنایا، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسی کی وجہ سے محمد ﷺ تم پر فضیلت لے گئے .

ابوجعفر رازی (راوی حدیث) کہتے ہیں: خاتم سے مراد نبوت کوختم کرنے والے اور فاتح سے مراد قیامت کے دن شفاعت کوشروع کرنے والے .



(تفسیر ابن کثیر ۳۰ خصائص کبری للسیوطی ۱/۲۸۴ دارالکتب العلمیہ)

پھر آپ ﷺ کے پاس تین برتن اوپر سے ڈھکے ہوئے لائے گئے، ایک میں پانی تھا، آپ سے کہا گیا پیجئے، آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا پیا، پھر دوسرا برتن دیا گیا اس میں دودھ تھا، کہا گیا: نوش فرمائیے، آپ ﷺ نے اس میں سے اتنا نوش فرمایا کہ سیراب ہوگئے، پھر تیسرا برتن شراب کا پیش کیا گیا اور کہا گیا پیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں سیراب ہوگیا ہوں، مجھے نہیں چاہئے، جبریل نے فرمایا: شراب آپ کی امت پر حرام ہونے والی ہے، اگر آپ پی لیتے تو آپکی امت میں تھوڑے لوگ آپ کی پیروی کرتے . (ایضا)

اس روایت میں آگے چل کر یہ بھی ہے: ساتویں آسمان کے بعد جب آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پہونچے تو اللہ تعالےٰ نے آپ سے فرمایا: مانگئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا، انکو بڑی بادشاہت دی، موسیٰ علیہ السلام سے (براہ راست) بات کی، داؤد علیہ السلام کو بڑی بادشاہت دی، اور لوہا ان کے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا، سلمیان علیہ السلام کو حکومت دی، جنات، انسان اور شیاطین کو ان کے تابع کر دیا، ہوائیں بھی انکے تابع کر دیں، ان کو ایسی بادشاہت دی کہ ان کے بعد کسی کیلئے مناسب نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو تورات اور انجیل سکھائی، ان کو یہ صلاحیت دی کہ آپ کے حکم سے مادرزاد اندھوں اور برص کی بیماری والوں کو اچھا کر دیتے تھے، ان کو اور ان کی ماں کو مردود شیطان سے بچایا، شیطان کو ان پر کوئی تصرف کرنے کا موقعہ نہیں ملا .

اللہ تعالےٰ نے آپ کو جواب دیا: میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا، تورات میں

آپ کا نام حبیب الرحمٰن لکھا ہے، آپ کو تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ کا سینہ ہم نے کھول دیا ہے، آپ کے بوجھ کو اتار دیا ہے، آپکے ذکر کو بلند کر دیا ہے، جہاں میرا ذکر وہاں آپ کا ذکر ہوتا ہے، آپ کی امت کو خیر امت بنایا ہے جو لوگوں کے نفع کیلئے دنیا میں بھیجی گئی ہے، آپکی امت درمیانی (عادل) امت ہے، آپ کی امت سب سے اول بھی ہے اور سب سے آخر بھی ہے، آپکی امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں ہوگا جب تک اس میں یہ گواہی نہ ہو کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، آپکی امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں انجیل (قرآن) ہے، آپ نبیوں میں سب سے پہلے پیدا ہوئے اور سب سے آخر میں مبعوث ہوئے، سب سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ ہوگا، آپ کو (سورۃ الفاتحہ) سات آیتوں والی سورت دی، آپ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی، آپ کو سورۂ بقرہ کے آخر کی آیتیں عرش کے نیچے کے خزانہ سے دی، آپ سے پہلے کسی کو نہیں دی، آپ کو کوثر دیا (حشر اور جنت کا حوض)، آپ کو آٹھ حصے دیئے: اسلام، ہجرت، جہاد، نماز صدقہ، صوم رمضان، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، آپ کو فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے (٦) چیزوں سے فضیلت دی:

۱۔ کلام کے فواتح اور خواتم سے نوازا۔

۲۔ جامع حدیث بنایا۔

۳۔ سارے انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔

۴۔ ایک مہینہ کی مسافت سے میرے دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈالا۔

۵۔ مالِ غنیمت میرے لئے حلال کیا، مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں تھا۔



٦۔ میرے لئے ساری زمین نماز اور تیمّم کی جگہ بنائی۔

(تفسیر ابن کثیر ۳/۳۴)

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ۱۳/رجب ۱۴۳۸ھ ۱۱/اپریل ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## حدیث اسراء کے فوائد :

ابن دحیہ اندلسی نے اپنی کتاب (الابتھاج فی أحادیث المعراج) میں اسراء کی حدیث میں ۶۱ فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے بعض کو جن میں زیادہ فائدہ ہے ہم بھی ذکر کرتے ہیں :

## ابن دحیہ کا مختصر تعارف

یہ عُمر بن الحسین ابوالخطاب بن دِحیہ اندلسی ہیں، ۵۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۳۳ھ میں انتقال ہوا، ۹۰ کے قریب عمر تھی، اپنے کو ذو النسبیین لکھتے ہیں، ایک نسبت مشہور صحابی دِحیہ کلبی کی طرف ہے اور دوسری سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف ہے، سیدنا حسین کی طرف ان کی نسبت کو صحیح مانا جاتا ہے، ان کے نانا علی تھے جن کا لقب جُمَیِّل تھا، ان کی ماں شریف ابوالبسّام علوی حسینی کوفی اندلسی کی بیٹی تھیں، دِحیہ کلبی کی طرف نسبت پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے، کہتے ہیں کہ ان کے اولاد ہی نہیں تھی، لیکن جواب دیا گیا کہ دحیہ کے اولاد تھیں، تاریخ ابن جریر میں ۱۳۶ھ کے واقعات میں ہے کہ یزید بن الولید نے عراق کی ولایت کے لئے عبد العزیز بن ھارون بن عبداللہ بن دحیہ بن خلیفہ کلبی کو بلایا. (لسان المیزان ۴/۲۹۵)

**علمی مقام:** ان کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس بہت علم تھا، ذھبی



نے بھی تعریف کی ہے، لکھا ہے کہ علم کے برتنوں میں سے تھے، اندلس میں ان سے لوگوں نے خوب سنا، ۵۹۰ھ کے قریب ٹونس میں حدیث بیان کی، بہت سے شہروں میں گئے، عجم میں بھی گئے، ابوجعفر صیدلانی سے طبرانی کی عالی حدیثیں سنیں، حدیث میں بصیرت تھی، لغت، رجال اور معانی سے واقفیت تھی .اھ

مزاج میں سختی تھی، اپنے مخالفین کی تردید میں سخت جملے لکھتے ہیں، شاید اسی لئے ان کے معاصرین نے ان پر تہمتیں لگائی ہیں، یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ مذاھب اربعہ میں کسی مذھب کی طرف اپنی نسبت نہیں کرتے تھے، ظاہری مذھب کی طرف ان کا میلان تھا. (دیکھئے کتاب کا مقدمہ ص۶ سے ص۹ تک)

**پہلا فائدہ:** اس کو سب سے پہلے ذکر کرنا ضروری ہے:

اسراء کی احادیث میں ایسی بات بھی آئی ہے جس سے تشبیہ کا شبہہ ہوتا ہے، ہم فوائد ذکر کرتے ہیں پھر خاتمہ کی طرف جائیں گے.

ہم کہتے ہیں (ابن دحیہ): کچھ فقہاء، محدثین نے احادیث اسراء سے یہ استدلال کیا کہ اللہ تعالی آسمان میں عرش کے اوپر ہیں، انکے علاوہ دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کیا ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے: [۱]

مثلاً (۱)۔ نزول کی حدیث (کہ اللہ تعالی رات کے آخری حصہ میں قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں اور بندوں کو پکارتے ہیں. الی آخر الحدیث. (متفق علیہ)

(۲)۔ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو ان کی یا اپنی صورت پر پیدا فرمایا، انّ اللہ خلق

---

۱. صفات باری تعالی کے بارے میں تفصیلی حاشیہ کتاب کے آخر میں دیکھیں ص۱۴۶ اور اسکے بعد

آدم علی صورته . (متفق علیہ)

(۳)۔ کالی باندی کی حدیث، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: اللہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا آسمان میں ...الخ (مسلم)

(۴)۔ موسی علیہ السلام نے ملک الموت کو طمانچہ مارا، ان کی آنکھ پھوڑ دی، پھر اللہ تعالی نے ان کی آنکھ واپس کردی. (مسلم، بخاری)

علماء کی ایک جماعت نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ ملک الموت انسان کی شکل میں آئے تھے، موسی علیہ السلام کو معلوم نہیں ہوا کہ یہ ملک الموت ہیں، اسلئے اپنی طرف سے مدافعت کی اس میں انکی آنکھ چلی گئی، یہ اللہ تعالی کی طرف سے امتحان ہوا، دوبارہ جب آئے اور بتایا کہ میں اللہ تعالے کا بھیجا ہوا ہوں تو موسی علیہ السلام مرنے کیلئے تیار ہوگئے، ورنہ موسی علیہ السلام معصوم تھے جیسے دوسرا انبیاء معصوم تھے، صغائر سے بھی، کبائر سے بھی، ہم نے اپنی کتاب ’’ **دلیل المتحیرین** ‘‘ میں اسکو بیان کیا ہے. (ص ۹۶)

(مترجم کہتا ہے کہ بعض علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ملک الموت نبیوں سے پہلے اجازت لیتے تھے پھر روح قبض کرتے تھے، جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بخاری وغیرہ میں آیا ہے کہ مجھ کو اختیار دیا گیا دنیا کی زندگی اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان، تو میں نے آخرت کی نعمتوں کو اختیار کرلیا، اسکے بعد روح قبض کی گئی .

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: صحت کی حالت میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

**لم يُقبض نبيٌّ حتى يُرى مقعدُه من الجنة ثم يُخير.** (بخاری ۶۳۸ و ۶۴۱)

(۵)۔ اللہ تعالی آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور زمینوں کو دوسری پر، پہاڑوں کو



تیسری پر، درختوں کو چوتھی پر، دوسری مخلوقات کو پانچویں پر، پھر فرمائیں گے: میں بادشاہ ہوں، ایک یہودی نے یہ بات کہی تو آنحضور ﷺ زور سے ہنسے کہ نواجذ دانت کھل گئے، پھر فرمایا: **و ما قدروا الله حق قدره** .. (بخاری)

(۶)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمام انسانوں کے دل اللہ تعالی کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں، جدھر چاہتے ہیں پھیر دیتے ہیں، پھر فرمایا: اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دیجئے. (مسلم)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جو صحیح ہیں، اہل سنت اور جماعت فرماتے ہیں کہ ان کو ہم روایت کریں گے اور جیسے آئی ہیں ان کو باقی رکھیں گے بغیر کیفیت اور تشبیہ کے، انکی تاویل بھی نہیں کریں گے، تاویل کو اللہ تعالے کے حوالہ کریں گے، یہ امام اشعری کے دوقولوں میں سے ایک قول ہے .

ولید بن مسلم نے فرمایا: میں نے اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس اور لیث ابن سعد سے ان احادیث کے بارے میں پوچھا جو صفات کے بارے میں آئی ہیں تو سب نے فرمایا: ان کو جیسے آئی ہیں بغیر کسی کیفیت کے گزارو، ان سب نے ان کو ایسے گزارا اور باری تعالے سے تشبیہ کی نفی کی، کیونکہ اللہ تعالے کی مخلوق میں اس جیسی کوئی چیز نہیں، اس کو کسی چیز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس کو قیاس سے سمجھا نہیں جاسکتا، اس کا وصف اسی طرح بیان کیا جائے گا جیسے اس نے بیان کیا یا اس کے رسول ﷺ نے بیان کیا، یا امت نے جس پر اتفاق اور اجماع کیا .

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب تمہید میں امام لک سے نقل کیا: اگر کوئی (**يد الله مغلولة**) میں اپنی گردن کی طرف اشارہ کرلے یا (**و هو السميع البصير**) میں

اپنی آنکھوں اور کانوں کی طرف یا بدن کے کسی اور حصہ کی طرف اشارہ کرلے تو اسکا وہ عضو کاٹ لیا جائے گا، کیونکہ اس نے اللہ تعالی کو اپنے ساتھ تشبیہ دی، قاضی عیاض نے بھی شفاء میں اسی طرح بات امام لک سے نقل کی.

ذوالنسبین (ابن دحیہ) کہتا ہے کہ فقہاء مسلمین کے یہاں یہ لازم نہیں، امام مالک سے صحیح سند سے اسکا ثبوت نہیں، کیونکہ مالک کے شاگرد ابن وھب کے شاگرد حرملہ بن یحی قابل احتجاج نہیں، یہ بات ابو حاتم رازی نے فرمائی، یحی بن معین نے فرمایا کہ میں مصر گیا تو دیکھا کہ ان کے بارے میں لوگ کلام کررہے ہیں.

حکم شرعی یہ ہے کہ ایسے آدمی سے توبہ کرائی جائیگی اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کردیا جائیگا، اگر کوئی شبہہ ہو تو اس کو دور کیا جائیگا .

بخاری شریف میں ( و لتصنع علی عینی ) کی تفسیر میں لکھا ہے : تغذّی ، یعنی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میری حفاظت میں آپ کو غذا دیجائیگی اور تربیت ہوگی، میں کسی اور کے حوالہ آپ کو نہیں کروں گا، تجری بأعیننا بھی قرآن میں آیا ہے.

بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے دجال کے بارے میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی تم پر پوشیدہ نہیں ہیں، اللہ تعالی اعور نہیں اور حضرت ﷺ نے اپنی آنکھ کیطرف اشارہ فرمایا اور مسیح دجال داہنی آنکھ کا کانا ہے، گویا کہ اسکی آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے .اھ

اللہ تعالی سے کانا پن کی نفی اور دجال میں اس کو ثابت کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالی نقص اور عیب سے پاک ہیں، اللہ تعالے کیلئے جارحہ اور عضو ثابت کرنا بہت بڑا نقص ہے، تو عَوَر کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ناقص الادراک نہیں ہیں. (الابتھاج ص۹۳ تا ۱۰۰ مختصراً)



## دوسرا فائدہ :

یہ بھی تشبیہ کی نفی میں پہلے ہی کی طرح ہے، یہاں خاص یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالی جہت سے پاک ہیں .

اللہ تعالی تم پر رحم فرمائے، بات کو سمجھو، کلام یہاں دو طرح ہوسکتا ہے: ایک لفظ پر دوسرے معنی پر، اگر لفظ پر بات چلائیں تو تاویل واجب ہے، اور جو تاویل ہوجائیگی تو جہت و مکان کے دعویدار کیلئے کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی، کیونکہ سماء کا مطلب قرآن و حدیث کی لغت میں بلندی کے ہیں، عرب کے اشعار سے بھی اسکا ثبوت ہوتا ہے، ہر اونچی چیز کا نام سماء ہے، اسلئے اس سے مراد یہاں علو ہے، یہی تاویل مناسب ہے، تفصیل کرنے جائیں تو بات لمبی ہوجائیگی.

اور اگر معنی پر کلام کو دائر کریں تو عقول کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کیلئے جھت اور مکان باطل ہے، اس کی دو وجہیں ہیں :

(۱)۔ اگر جہت مانی جائے تو اس میں کمال کی نفی ہے کہ اگر جہت نہ ہوتی تو وہ نہ ہوتا حالانکہ اللہ تعالے اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے ایسی چیز سے مستغنی ہیں جس سے کامل بنیں .

(۲)۔ جہت یا تو قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو دو محال لازم آئیگا :

۱۔ باری تعالی کے ساتھ ازل میں اس کا غیر ہو، اور دو قدیم چیزوں میں ایک دوسرے کیلئے مکان ہو، دوسرا پہلے کیلئے نہیں اس کی کوئی وجہ نہیں .

۲۔ دوسرا محال یہ ہے کہ جہت و مکان جسم ہوں گے، اس سے یہ لازم آیا کہ تمام

اجسام ازلی ہوں تو اس سے عالَم کا قدیم ہونا لازم آیا، اللہ تعالے کی حفاظت ہو ایسے مذہب سے جو یہاں تک لے جائے ۔

اور اگر جہت حادث ہوتو حادث کی طرف قدیم کیسے محتاج ہوگا؟ اس حادث سے قبل قدیم اس سے مستغنی تھا، اب بھی ہے، آئندہ بھی رہے گا۔

اس میں ایک تیسرا محال بھی ہے جو دونوں تقدیروں کو جامع ہے، وہ یہ ہے کہ جہت اگر مانی جائے تو مخلوق ہوگی اور محال ہے کہ کائنات کا خالق اپنی بعض مخلوقات کا محتاج ہو، اس تحقیق کو اچھی طرح سمجھو، اللہ تعالے ہم کو اور تم کو سیدھے راستہ کی توفیق دے۔ (الابتھاج ص۱۰۰ و ۱۰۱)

## تیسرا فائدہ: (مصنف کا فائدہ نمبر (۶) ہے)

(ہم نے خاص خاص فوائد کا ترجمہ کیا ہے، سب کا نہیں)

میں نے استاد فقیہ نحوی ابوالقاسم خشعمی سے انکی مسجد میں مالقہ میں دوسوالات کئے:

۱۔ ہر نبی کو آپ ﷺ نے جس آسمان میں دیکھا، اس میں کیا حکمت ہے؟

۲۔ کیوں صرف انہی انبیاء سے ملاقات ہوئی؟ دوسرے انبیاء سے کیوں نہیں ہوئی اور اگر ہوئی تو انہی کا ذکر کیوں ہوا؟

جواب میں فرمایا: اسراء کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا، مکہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور امن کی جگہ ہے، وہاں کے رہنے والے اللہ تعالے کے پڑوسی ہیں، اسلئے کہ اسی میں اللہ تعالے کا گھر ہے، تو سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو دیکھا جو اللہ تعالے کے امن اور پڑوس میں تھے، ابلیس نے ان کو وہاں سے نکالا، اس واقعہ کے مشابہ آنحضور ﷺ کی



پہلی حالت ہے کہ دشمنوں نے آپ کو اللہ تعالے کے حرم اور اس کے گھر کے پڑوس سے نکالا جس سے آپ کو دکھ اور غم ہوا، یہ قصہ آدم علیہ السلام کے قصہ کے مشابہ ہے، آدم علیہ السلام پر ان کی اچھی بری دونوں قسم کی اولاد پیش ہوتی ہے تو قریبی آسمان پر رکھے گئے تاکہ وہاں سے دونوں طرح کی اولاد کو دیکھ سکیں، کیونکہ بُرے لوگوں کی روحیں آسمان میں داخل نہیں ہوتیں نہ ان کیلئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ۔

پھر دوسرے آسمان میں عیسی اور یحی علیہما السلام کو دیکھا، یہ دونوں یہودیوں سے آزمائے گئے، عیسی علیہ السلام کو یہودیوں نے جھٹلایا اور اذیت پہونچائی، قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالے نے اوپر اٹھالیا، یحی علیہ السلام کو تو قتل ہی کردیا، آنحضور ﷺ مدینہ جانے کے بعد امتحان کی دوسری قسم میں داخل ہوئے، انکی آزمائش یہودیوں کے ساتھ ہوئی، آپ کو ستایا، آپ کے خلاف سازش کی، آپ پر چٹان گرانے کا ارادہ کیا تاکہ مار ڈالیں، اللہ تعالے نے آپ کو نجات دی جیسا کہ عیسی علیہ السلام کو نجات دی، پھر بکری میں زہر ڈال کر کھلایا (اس وقت تو آپ ﷺ بچ گئے، کچھ صحابہ انتقال کر گئے) لیکن وہ زہر آپ ﷺ پر اثر کرتا رہا حتی کہ اس کی وجہ سے آپ کی رگ اَبہر کٹ گئی اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کا وصال ہوا، جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا [1]

اسی طرح کا معاملہ عیسی اور یحی علیہما السلام کے ساتھ ہوا ۔

---

[1] فھذا أوان وجدت انقطاع أبھری من ذالک السم. (بخاری ۲/۶۳۷)
اور جادو کر کے بھی آپ کو قتل کرنے کوشش کی جیسا کہ صحیح روایتوں میں آیا ہے فضل

آپ ﷺ کی ملاقات تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے ہوئی ، اس سے تیسری حالت کا پتہ چلتا ہے جو یوسف علیہ السلام کی حالت سے مشابہ ہے ، یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے اپنے درمیان سے نکال دیا تھا ، بعد میں پھر ان سے ملاقات ہوئی اور سب جمع ہوئے ، یوسف علیہ السلام نے انکو معاف کردیا ، ہمارے نبی ﷺ نے بھی بدر میں اپنے بعض رشتہ داروں کو قید کیا جنھوں نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالا تھا جیسے عباس ، عَقیل بن ابی طالب وغیرہ ، بعض کو چھوڑ دیا ، بعض سے فدیہ لیا ، پھر فتح مکہ کے بعد بھی ان پر غالب ہوئے اور ان سے فرمایا: یوسف علیہ السلام کی طرح میں بھی تم سے کہتا ہوں کہ : **لا تثریب علیکم الیوم** ، آج تم پر ملامت نہیں ، اللہ تعالے ہماری تمہاری مغفرت فرمائے .

پھر چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ، اللہ تعالے نے اس جگہ کو **مکاناً علیاً** فرمایا ، ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالے نے قلم سے لکھنا سکھایا ، اس سے آپ ﷺ کی چوتھی حالت کو بتانا ہے کہ اللہ تعالے نے آپ کی شان بہت بلند کی بادشاہوں کے دلوں میں آپ کا خوف ڈالدیا اور آپ ﷺ نے انکو اپنی فرمانبرداری کی دعوت دی حتی کہ ابوسفیان کو جبکہ انھوں نے ہرقل کے دربار میں اسکی بات سنی کہنا پڑا: **لقد أمِرَ أمرُ ابن أبی کبشةَ یخافُه ملکُ بنی الأصفر** (بخاری ص ۵) ابن ابی کبشہ یعنی آنحضور ﷺ کا معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے ، رومیوں کا بادشاہ قیصر بھی ان سے ڈر رہا ہے .

اور آنحضور ﷺ نے قلم کے ذریعہ لکھوا کر زمین کے بہت بادشاہوں کے پاس دعوت کا خط بھیجا ، بعض نے آپ کا دین قبول کرلیا جیسے نجاشی اور عُمان کا بادشاہ ،



بعض نے صلح کرلی اور ہدیہ تحفہ دیا جیسے ہرقل اور مُقَوقِس ، بعض نے نافرمانی کی اور انکار کیا تو اللہ تعالے نے ان پر آپ کو غالب کردیا ، یہ **مقاماً علیاً** اور قلم سے لکھنا ہے جو ادریس علیہ السلام کے مشابہ ہے .

پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام سے ملنا جو اپنی قوم میں محبوب تھے اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ ﷺ بھی اپنی قوم میں اور تمام عرب میں محبوب ہوگئے اگرچہ پہلے دشمنی تھی .

چھٹیں آسمان پر موسی علیہ السلام سے ملنا ان کی حالت سے مشابہت کا پتہ دیتا ہے ، جب ان کو شام میں غزوہ کا حکم ملا تو وہاں کے ظالموں پر ان کو غلبہ حاصل ہوا اور بنی اسرائیل اس شہر میں داخل ہوئے جہاں سے نکالے گئے تھے ، اسی طرح آنحضور ﷺ نے شام کی زمین تبوک میں غزوہ کیا (ہرقل دشمن تو آیا ہی نہیں ، ڈر گیا) دومۃ الجندل کے بادشاہ نے صلح کرلی ، جزیہ دینا قبول کیا جب اس کو قید کرکے لایا گیا ، مکہ فتح ہوا اور صحابہ کرام فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے جب کہ پہلے مجبور کرکے نکالے گئے تھے .

ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات دو حکمتوں کی وجہ سے تھی :

(۱) ۔ آپ ﷺ نے ان کو بیت معمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور بیت معمور کعبہ کے بالکل مقابل اوپر ہے ، فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں ، ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور لوگوں کو حج کیلئے بلایا ، لوگ کعبہ کا طواف اور حج کررہے ہیں .

(۲) ۔ آپ ﷺ کی آخری حالت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع اخیر عمر میں کیا اور آپ کے ساتھ ستر (۷۰) ہزار لوگوں نے (یا زیادہ نے) حج کیا ، اہل تعبیر کے یہاں ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا حج کا پتہ دیتا ہے ، کیونکہ وہی بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھانے

والے اور حج کی طرف بلانے والے ہیں.

اس تقریر میں دونوں سوالوں کا جواب ہوگیا، اس کو ہمارے شیخ (سہیلی) نے بھی اپنی کتاب الروض الانف میں ذکر کیا ہے (یہ کتاب سیرت ابن ہشام کا حاشیہ ہے).

## چوتھا فائدہ: (مصنف کا فائدہ نمبر (۸) ہے)

آسمان پر جانے سے پہلے بیت المقدس کا سفر کرایا گیا کیونکہ اللہ تعالی کو معلوم تھا کہ قریش آسمانوں کی خبروں کو جھٹلائیں گے تو چاہا کہ پہلے زمین کی خبریں بتائیں جس کو لوگوں نے دیکھا ہے اور معلوم تھا کہ آنحضور ﷺ کبھی بیت المقدس نہیں گئے، جب آپ نے بیت المقدس کی خبر دی اور اس کو تسلیم کیا تو اب آسمان کی خبروں کی تکذیب ان کیلئے ممکن نہیں رہی.

## پانچواں فائدہ : (مصنف کا فائدہ نمبر (۹))

ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالے نے چاہا ہو کہ بیت المقدس کی مقدس سرزمین آپ کے مبارک قدم سے محروم نہ رہے، جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ دی تو اس کی تقدیس مکمل ہوگئی، مسلم نے اپنی صحیح میں نماز پڑھنے کی تصریح کی ہے.

## چھٹاں فائدہ: (مصنف کا گیارہواں فائدہ)

ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے چاہا ہو کہ وہ قبلہ دکھلا دیں جس کی طرف رخ کر کے ایک مدت تک نماز پڑھی تھی جیسا کہ کعبہ کو دیکھا.

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیگر انبیاء کی ہجرت بیت المقدس کی طرف ہوئی تھی تو اللہ



تعالے نے چاہا کہ آپ کی ہجرت بھی یہاں ہوجائے تاکہ آپ دوسرے انبیاء کے ساتھ اس ہجرت میں شریک ہوجائیں، اور خاص ہجرت آپ کی آپ کے ساتھ خاص رہے.

## ساتواں فائدہ: (مصنف کا ۱۳)

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے بیت المقدس کی تقدیس مکمل ہوگئی تو آپ نے فرمایا: **لا تُشدّ الرحال الا الی ثلاث مساجد**، صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے:

(۱)۔ مسجد حرام کیونکہ وہ آپ کی پیدائش اور نبوت ملنے کی جگہ ہے.

(۲)۔ مسجد مدینہ، کیونکہ وہ آپ کی ہجرت اور قبر کی جگہ ہے.

(۳)۔ مسجد اقصی، کیونکہ وہ آپ کی معراج کی جگہ ہے.

## آٹھواں فائدہ: (مصنف کا ۲۶)

رات کو اسراء کا سفر نہ کہ دن کو، اس میں ان کافروں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ تاریکی میں توھین اور برائی ہے اور روشنی میں اکرام اور خیر ہے، متنبّی نے شعر میں اس کو کہا ؎

**وکم لِظلام اللیل عندک من یدٍ        تخبّر أن المانویّةَ تکذِب**

رات کی تاریکی کا تجھ پر بہت احسان ہے        جو بتاتا ہے کہ مانویہ جھوٹ بولتے ہیں.

زمانہ کو ماننے والے مانویہ کہلاتے ہیں، یہ ایک بڑا کافر فرقہ ہے جو کہتا ہے خیر نور سے ہے اور شر ظلمت سے ہے.

(پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ رات کو مسافت جلدی طے ہوتی ہے، **الأرض تُطوی باللّیل** )

## نواں فائدہ : ( مصنف کا ۲۷)

اللہ تعالے نے اپنے رسول ﷺ کو رات کو سفر کرایا اور بہت عزت واکرام سے رات میں نوازا اور فرعون اور اسکی قوم کو دن میں غرق کیا اور بنی اسرائیل کو انکی ذلت اوررسوائی دکھائی، فرمایا: **فالیوم ننجّیک ببدنِک لتکون لِمَن خلفک آیۃ**، نجوہ کا معنی ہوتا ہے اونچی جگہ، مطلب یہ ہے کہ تمکو اونچی جگہ پھینک دیں گے تاکہ بعد والے تم سے نصیحت لیں .

ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ جب موسی علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ سمندر پار کر گئے تو سمندر مل گیا اور فرعون اپنی قوم کے ساتھ غرق ہوگیا، موسی علیہ السلام کے ساتھیوں کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ فرعون بھی ہلاک ہوگیا تو موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کی تو سمندر نے اس کا جسم باہر پھینک دیا، پھر اس کے جسم کو دیکھ کر اس کی ہلاکت کا یقین ہوگیا .

**بِبدنِک** فرمایا، جسکا مطلب یہ ہے کہ صرف جسم بغیر روح کے زمین پر ڈالا گیا، عبرت کیلئے کہ جو کفر اور شرارت کرے گا اس کا انجام ایسا ہی ہوگا، ورنہ اللہ تعالے کو قدرت تھی کہ زندہ اس کو بچادیتے، لیکن ہلاک کیا گیا، صرف بدن ظاہر کیا گیا تاکہ ہلاکت کا یقین ہوجائے اور سبق مل جائے .

(یہی وہ شخص ہے جو اپنے کو **ربکم الأعلی** کہتا تھا، آج یہ حال ہے. فضل )



نبی ﷺ کی ترقی رات کو ہوئی ان کے اکرام کیلئے، اور فرعون کی غرق آبی دن کو ہوئی لوگوں کے سامنے اس کی توہین کیلئے .

## دسواں فائدہ : (مصنف کا ۳۳)

یہ فائدہ سب سے بڑا ہے، اجماع سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : **ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر فیقول: مَن یدعونی فاستجیب له و من یسألنی فأعطیه و من یستغفر نی فأغفرله .**

یہ خصوصیت دن کو نہیں حاصل ہے، رات کے اس وقت میں رحمت کی وسعت ہے، اجر وثواب کی کثرت ہے اور دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں .

سوال : اگر کوئی کہے کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ **خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة** ، جمعہ کا دن سب سے افضل ہے.

اسکا جواب یہ ہے کہ دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے، اللہ تعالے نے فرمایا: **انّا أنزلناه فی لیلةِ القدر ، و ما أدراک ما لیلةُ القدر ، لیلةُ القدر خیرٌ من ألف شهر** ، اس رات میں چار ہزار جمعے آگئے، تو یہ رات تنہا ان تمام جمعوں سے افضل ہوگئی .

یہ بات کافی ہے اس شخص کیلئے جس کے دل میں اللہ تعالے نے ہدایت ڈالی ہو اور وہ راہ حق کا طالب ہو.

## گیارہواں فائدہ : (مصنف کا ۳۴)

آنحضرت ﷺ کے اکثر اسفار رات میں ہوئے، ہجرت کا سفر رات کو ہوا، براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان کیا، صحیحین میں مذکور ہے۔

لیلۃ التعریس کا واقعہ صحیحین میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت ﷺ کے ہاتھ اونٹ بیچنے کا رات کو پیش آیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ رات کے سفر میں پیش آیا۔

ان کے علاوہ کئی احادیث ہیں جنکی صحت پر اجماع اور اتفاق ہے۔

جیسے آپ ﷺ خود رات کو چلے امت کو اس کا حکم بھی دیا : **عليكم بسير الليل فانّ الأرضَ تُطوى بالليل ما لا تُطوى بالنهار** ، یہ حدیث مؤطا مالک میں مذکور ہے۔

**و عليكم بالدلجة فان الأرضَ تُطوى بالليل.** (حاکم نے مستدرک میں اس کو ذکر کیا اور فرمایا: یہ صحیح حدیث ہے، ذہبی نے بھی موافقت کی)

## بارھواں فائدہ: (مصنف کا ۴۱)

نبی ﷺ کا عبادت میں مجاہدہ رات کو بنسبت دن کے زیادہ تھا، رات کی نماز میں آپ کے قدم پھول اور کبھی پھٹ جاتے تھے، **يأيها المزمل قُم اللّيل الا قليلاً** کا حکم آپ کو ملا تھا، رات میں عبادت کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالے کی طرف سے آپ کا اکرام رات میں زیادہ تھا اسلئے رات میں معراج کرائی گئی۔

اللہ تعالے نے آپ کو رات کو تہجد پڑھنے کا حکم دیا اور اس پر مقام محمود ملنے کی خوشخبری سنائی ( **و مِن اللّيل فتهجّد به نافلةً لك عسٰى أن يَبعثَ ربُّك مقاماً**



**محموداً** ) .

## تیرھواں فائدہ: (مصنف کا ۴۵۔تا ۴۸)

معراج کی رات اللہ تعالی نے آپ کو جنت اور جہنم بھی دکھائی، اسلئے کہ آپ امت پر جنت کو پیش کیا کرتے تھے تاکہ اس کو خریدیں، **انّ اللهَ اشترىٰ من المؤمنين أنفسَهم و أموالَهم بأن لهم الجنة ... الى آخر الآية .**

تو اللہ تعالے نے آپ کو جنت دکھادی تاکہ آپ اس کو دیکھ کر لوگوں کے سامنے اس کی صفت بیان کریں اور جہنم بھی دکھادی، اسلئے کہ کفار آپ کا مذاق اڑاتے اور جھٹلاتے اور تکذیب کرتے تھے تو جھنم دکھا کر اللہ تعالے نے آپ کو اطمینان دلایا اور دلجوئی کی کہ ان کو اس میں سزا ہوگی۔

## چودھواں فائدہ: (مصنف کا ۵۲)

دیگر انبیاء عليهم الصلوة و التسليم نے قیامت سے پہلے جہنم نہیں دیکھی، جب قیامت کے دن دیکھیں گے تو زبانیں رک جائیں گی نہ خطبہ دے سکیں گے نہ شفاعت کرسکیں گے، اپنی فکر میں اپنی امتوں کو بھول جائیں گے، ہمارے نبی ﷺ سب کچھ دیکھ چکے ہیں، اسلئے دیگر انبیاء کی طرح نہیں ہونگے، مقام محمود میں اللہ تعالی کی حمد کریں گے اور شفاعت کریں گے جیسا کہ قرآن و حدیث میں مذکور رہے۔

## پندرھواں فائدہ: (مصنف کا ۶۱)

معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالے کی حمد کو کیوں مبہم رکھا؟

جنید بن منصور نے فرمایا: جب آنحضورﷺ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالے کی تعریف جتنی بھی زیادہ کی جائے اور جتنی اونچی بھی کی جائے اللہ تعالے کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور بہرحال اسکی شرافت تعریف کرنے والے کی طرف جاتی ہے اللہ تعالے کی طرف نہیں، کیونکہ اس میں صرف قائل کے مرتبہ کا اظہار ہے، اسلئے آپ نے اپنی زبان عجز کو استعمال فرمایا اور فرمایا: **لا أحصي ثناء عليك** ، امام ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی سے جو علم اشارہ کے امام تھے یہ بات پوچھی گئی تو فرمایا: تعریف برابر والوں کیلئے ہوتی ہے، جو تعریف کا حق ادا نہ کرسکے اس کا تعریف سے عاجز ہونا ہی تعریف کرنا ہے.

ابوعثمان حیری سے ( **لا أحصي ثناء عليك ، أنت كما أثنيت على نفسك** ) کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: آنحضورﷺ ہمیشہ اللہ تعالے سے دعا کرتے رہے اور تعریف کرتے رہے، جب معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں اللہ تعالے کی عظمت کا مشاہدہ کیا تو جو دعا اور حمد پہلے کی تھی اس پر ندامت ہوئی، اسلئے اپنی عاجزی ظاہر کرنے کیلئے **لا أحصي ثناء عليك** فرمادیا.

یہ حیری علم اشارہ کے امام تھے ۲۹۸ھ میں انتقال ہوا، حیرہ کے قبرستان میں مدفون ہیں، ان کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے، اس سے بارش طلب کی جاتی ہے، حدیث بھی روایت کی اور لکھی، اپنے رب کی عبادت کی اور اطاعت کی.

قیامت کے دن جب بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور بڑے بہادر طاقتور بھی کمزور ہوجائیں گے اس دن اللہ تعالی آپﷺ پر تعریف کو کھولیں گے اور آپ کو ایک نور دیں گے جو آپ کے آگے آگے رہے گا، لوگ ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے سب معذرت کردیں گے کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں، محمدﷺ کے پاس جاؤ،



آپ کے پاس لوگ جائیں گے تو آپ فرمائیں گے: ہاں میں اس کا اہل ہوں، میں جاؤں گا، اپنے مالک سے اجازت مانگوں گا، اجازت ملے گی، پھر ایسی تعریف کرونگا جو اِس وقت مجھے یاد نہیں آتی، اللہ تعالے اُسی وقت میرے دل میں ڈالیں گے، میرے اوپر اس کو کھولیں گے، ایسی تعریف جو مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولی.

(صحیحین میں حضرت انسؓ اور ابوہریرہؓ سے یہ حدیثیں مروی ہیں) ۱

---

## ۱ حدیث شفاعت

(از مترجم)

**حدیث شفاعت** : مصنفؒ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صحیح بخاری میں کتاب التوحید میں اس طرح مذکور ہے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں: محمدﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا، لوگ ایک دوسرے کے اندر گھسے ہوئے ہونگے، لوگ حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ اپنے رب سے سفارش کیجئے، وہ کہیں گے میں اس قابل نہیں، ابراہیمؑ کے پاس جاؤ، وہ خلیل الرحمٰن ہیں، لوگ ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے میں اس قابل نہیں، موسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں، لوگ موسیٰؑ کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس قابل نہیں، عیسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلیم اللہ ہیں، لوگ جائیں گے، وہ بھی معذرت کردینگے اور کہیں گے کہ محمدﷺ کے پاس جاؤ، لوگ میرے پاس آئیں گے، میں کہوں گا: ہاں میں اسکے لائق ہوں، میں اللہ تعالے سے اجازت مانگوں گا، اجازت مل جائیگی، مجھے اللہ تعالے ایسی حمد سکھائیں گے جو اس وقت مجھے یاد نہیں آتی، میں ان محامد کے ساتھ اللہ تعالے کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا، کہا جائیگا: اے محمد! سر اٹھایئے، بولئے بات سنی جائیگی، مانگئے دیئے جائیں گے، سفارش کیجئے سنی جائیگی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت، میری امت،

کہا جائیگا: جن کے دل میں جَو کے برابر ایمان ہے جایئے انکو نکالئے، میں جاؤں گا نکالوں گا، پھر لوٹوں گا اور انہی محامد سے پھر تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا پھر وہی کہا جائیگا اور اجازت دیجائیگی کہ جس کے دل میں ذرہ کے برابر یا رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اسکو نکال لیجئے، میں نکالوں گا، پھر وہی ہوگا اور کہا جائیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کم سے کم ایمان ہو اس کو نکالیں میں نکالوں گا، پھر چوتھی دفعہ بھی ایسا ہی ہوگا، میں کہوں گا: اے میرے رب اجازت دیجئے کہ جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے اسکو نکالوں، اللہ تعالے فرمائیں گے میری عزت و جلال اور کبریائی اور عظمت کی قسم میں ان لوگوں کو نکالوں گا جنھوں نے کلمہ پڑھا. (بخاری کتاب التوحید، باب کلام الرب یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرهم ۱۱۱۸/۲ ، مسلم ۱۱۰/۱)

اور عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے اخیر میں جس کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائیگا اسکو دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی. (بخاری ۹۷۲/۲ و ۱۱۱۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ حصہ پانے والا اور سعادت مند وہ ہے جو لا الہ الا اللہ خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے. (بخاری ۱۰/۱)

یوں تو آپ ﷺ کی شفاعت امت کے اہل کبائر کیلئے بھی ہوگی، **شفاعتی لأهل الكبائر من أمتی** (ترمذی ۷۰/۲) عن جابرؓ مرفوعاً.

اللہ تعالے ہم سب کو ان میں سے بنائے جن کو قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت شروع ہی میں نصیب ہو جائیگی اور اس کی برکت سے جنت الفردوس کا داخلہ بغیر حساب کے مل جائیگا، **اللّٰهم اجعلنا منهم آمین**

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ۱۷/ جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ ۳/۵/ ۲۰۱۸ء



(حاشیہ متعلقہ ص ۱۲۸)

## صفات باری تعالے اور متشابہات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں **ما جاء فی فضل الصدقة** کے باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ذکر کی کہ: **انّ اللّٰهَ یقبَلُ الصدقةَ ویأخذُها بِیمینِه فیُرَبِّیها لأحدکم کمایُربّی أحدُکم مهرَه حتی انّ اللُّقمةَ لَتصیرُ مثلَ أحد.** (ترمذی ۱۴۴/۱)

اس کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مرفوعاً آنحضور ﷺ سے یہ مضمون مروی ہے.

بہت سے اہل علم نے اس حدیث میں اور اس جیسی روایات میں جن میں اللہ تعالی کی صفات اور ہر رات میں قریبی آسمان کی طرف اللہ تعالی کے نزول کی بات مذکور ہے، فرمایا: روایات اس مضمون کی ثابت ہیں، ان پر ایمان لایا جائیگا، وہم نہیں کیا جائیگا اور پوچھا نہیں جائیگا کہ کیسے؟

اس طرح کی بات مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، اور عبداللہ بن المبارک سے مروی ہے، ان لوگوں نے فرمایا: ان احادیث کو بلا کیفیت کے گزارو، یہی اہل سنت والجماعت کے اہل علم کا قول ہے.

جہمیہ فرقہ نے ان روایات کا انکار کیا اور کہا کہ یہ تشبیہ ہے.

اللہ تعالے نے اپنی کتاب میں کئی جگہوں پر ید، سمع اور بصر کا تذکرہ فرمایا ہے، جہمیہ نے ان آیات میں تاویل کی اور اسکی ایسی تفسیر کی جو اہل علم نے نہیں کی، جہمیہ نے کہا: اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام کو اپنی ہاتھ سے پیدا نہیں کیا، ید سے مراد قوت ہے.

اسحٰق بن ابراہیم نے فرمایا: تشبیہ اس وقت ہوگی جب کہیں: **یدٌ کیدٍ، أو مثل ید، یا سمعٌ کسمعٍ أو مثل سمع**، جب کہیں سمع سمع کی طرح تب تشبیہ ہوگی، کوئی کہے جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: ید وسمع وبصر اور کیفیت بیان نہ کرے اور سمع کی طرح نہ کہے تو یہ تشبیہ نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: **لیس کمثلہ شیء و ھو السمیع البصیر.** (ترمذی **باب ماجاء فی فضل الصدقة** ۱۴۴/۱)

امام ترمذیؒ **باب ماجاء فی خلود أهل الجنة وأهل النار** میں ابوھریرہؓ کی حدیث ذکر کرتے ہیں : **فیطلع علیھم رب العالمین الی آخر الحدیث.** (۸۲/۲)

پھر لکھتے ہیں :

"آنحضرت ﷺ سے اس طرح کی بہت سی روایات مروی ہیں جن میں رؤیت کا ذکر ہے کہ لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے، قدم اور اسکے مشابہ اور چیزیں بھی ذکر ہوئی ہیں۔

سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، ابن المبارک اور وکیع وغیرہ اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ان روایتوں کو ذکر کریں گے، ان پر ایمان رکھیں گے لیکن کیفیت کا سوال نہیں کریں گے، اسی کو محدثین نے اختیار کیا کہ ان روایات کو جیسے آئی ہیں نقل کریں گے، ان پر ایمان رکھیں گے، تفسیر نہیں کریں گے، نہ کیفیت سے سوال کریں گے، یہ اہل علم کا طریقہ ہے، اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی کی طرف گئے ہیں". (ترمذی ۸۲/۲)

سورۂ مائدہ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع ذکر کی : **یمین الرحمن ملأی سحاء .... وبیده الأخری المیزان یخفض و یرفع .** (۱۳۴/۲)

اس کے بعد بھی اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی، سورۂ حدید کی تفسیر میں ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث ذکر کی : **..... والذی نفس محمد بیده لو دلّیتم بحبل الی الأرض السفلیٰ لهبط علی اللّٰه ، ثمّ قرأ هو الأول و الآخر و الظاهر و الباطن و هو بكل شيء عليم** ، پھر فرمایا: بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر کی اور فرمایا کہ اللہ تعالے کے علم اور اس کی قدرت اور اس کی بادشاہت میں اترے گی، اور اس کا علم، اس کی قدرت اور اس کی بادشاہت ہر جگہ ہے اور وہ خود عرش پر ہے جیسا کہ اپنی کتاب میں بیان کیا. (ترمذی ۱۶۵/۲)



ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب متشابہات میں تفویض کا ہے اللہ تعالے کے بارے میں مشابہت کا عقیدہ نہیں رکھیں گے، **لیس کمثله شیء** ، بغیر کسی کیفیت کا تصور کئے ہوئے ایمان لائیں گے، ید، وجہ، اصابع، ساق وغیرہ کو مانیں گے لیکن کوئی وہم اور تصور نہیں قائم کریں گے اور تاویل بھی نہیں کریں گے۔

البتہ بعض جگہ تاویل بھی کریں گے جیسے **لهبط علی الله** کا مطلب بیان کیا، **لهبط علی علم الله وقدرته وسلطانه .**

## امام نوویؒ کا کلام

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں صفات کی آیات اور احادیث پر یہ کلام کیا:

آنحضور ﷺ کا ارشاد : **فیأتیهم الله فی صورته التی یعرفون .** (مسلم ۱۰۰/۱ **باب اثبات رؤیۃ المؤمنین ربّهم سبحانه وتعالی**) کے ذیل میں لکھتے ہیں: جان لو کہ صفات (باری تعالیٰ) کی آیات اور احادیث میں دو قول ہیں:

(۱)۔ یہی اکثر یا تمام سلف کا قول ہے کہ انکے معانی میں بات نہ کی جائے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ان پر ایمان لائیں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ انکا ایسا معنیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے، ساتھ ہی یہ بھی اعتقاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی شئ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے اور منتقل ہونے سے اور کسی جہت میں موجود ہونے سے منزہ ہے اور پاک ہے، مخلوقات کی تمام صفات سے بھی محفوظ ہے۔

یہی قول متکلمین کی ایک جماعت کا بھی ہے، ان کے محققین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہ اسلم طریقہ ہے۔

(۲)۔ یہ اکثر متکلمین کا مذہب ہے، یہ کہتے ہیں کہ ہر جگہ کے مطابق ان کی تاویل کی جائیگی، اور یہ تاویل صرف اس کیلئے جائز ہے جو اس کا اہل ہو، عرب کی زبان جانتا ہو، اصول وفروع کے قواعد جانتا ہو، علم میں ماہر اور تجربہ کار ہو، اس مذہب کے مطابق **فیأتیهم الله** میں کہا جائیگا

کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جنتی اللہ تعالے کو دیکھیں گے، اسلئے کہ عادت یہ ہے کہ جو چیز غائب ہوتی ہے اس کو دیکھ نہیں سکتے الا یہ کہ وہ آئے، اسلئے یہاں آنے سے مراد دیکھنا ہے، یہ مجاز ہے، بعض نے کہا آنے سے مراد بعض فرشتوں کا آنا ہے، قاضی کہتے ہیں کہ یہ وجہ میرے نزدیک حدیث شریف سے زیادہ مشابہ ہے.

حدیث میں یہ الفاظ کہ **فيأتيهم فى صورته التى يعرفون** ، اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں آئیں گے جسکو یہ لوگ پہچانتے ہیں، تو اس سے مراد صفت ہے، شکل وصورت نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے سامنے ایسی صفت پر تجلّی فرمائیں گے جس کو وہ لوگ جانتے پہچانتے ہوں گے، اس صفت پر وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اب تک دیکھا نہیں تھا، کیونکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اپنی مخلوقات میں سے کسی شی ء کے وہ مشابہ نہیں ہے، اور ان کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کسی شی ء کے مشابہ نہیں ہوں گے اسلئے جان لیں گے کہ یہ ان کے رب ہیں تو کہیں گے: آپ ہمارے رب ہیں. (ج ۱ ص ۱۰۰)

پھر امام نوویؒ نے **باب صلوة الليل وركعات النبى ﷺ فى الليل** ۲۵۸/۱ میں آنحضور ﷺ کی حدیث **ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا، فيقول الى آخر الحديث** کے ذیل میں لکھا: یہ حدیث صفات کی احادیث میں سے ہے اس میں علماء کے دو مشہور مذہب ہیں، کتاب الایمان میں انکی وضاحت گزر چکی ہے، مختصر یہ ہے کہ ایک مذہب

(۱) جمہور سلف اور بعض متکلمین کا ہے کہ ایسی باتوں پر ایمان لائیں گے کہ یہ حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے مطابق ہیں ان کا ظاہر جو ہمارے حق میں معروف اور معلوم ہے وہ مراد نہیں ہے، انکی تاویل میں کچھ نہیں بولیں گے، یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صفات سے پاک ہیں، انتقال سے، حرکت سے، اور مخلوقات کی تمام صفات سے منزہ اور پاک ہیں.

دوسرا (۲) مذہب۔ اکثر متکلمین کا ہے اور سلف کی کچھ جماعت سے بھی منقول ہے وہ یہاں مالک اور اوزاعی سے منقول ہے کہ ایسی احادیث میں ان کے مناسب تاویل کی جائیگی، چنانچہ



دو تاویلیں کی گئی :

(۱)۔ مالک وغیرہ کی تاویل کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکم کا نزول ہے یا اس کے فرشتوں کا نزول ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے یہ کیا جب کہ اس کے متبعین اس کے حکم سے کوئی کام کریں.

(۲)۔ یہ استعارہ کے طور پر ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے دعا کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان پر اپنا فضل وکرم ظاہر فرماتے ہیں. واللہ اعلم (۲۵۱/۱)

ابن حبیب نے امام مالک سے نقل کیا: **ينزل أمرُه و نهيُه ، و أما هو تعالى فدائم لا يزول ، وقاله غيره .** (**القول التمام باثبات التفويض مذهبا للسلف الكرام** ص ۱۷۰ **نقلا عن القاضى عياض** )

اس کا حکم اور نہی نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہیں وہ زائل نہیں ہوتے، دوسرے لوگوں نے بھی یہ بات کہی.

شرح عقائد میں تفتازانیؒ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کی تنزیہ پر قطعی دلائل موجود ہیں اسلئے نصوص کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرنا چاہئے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ ہے، اسلم طریقہ کو ترجیح دیتے ہوئے، یا صحیح تاویلات کی جائیں جیسا کہ متاخرین نے اختیار کیا، جاہلین کے اعتراضات کو دور کرنے کیلئے اور ناقص سمجھ والوں کی مدد کرنے کیلئے، مضبوط طریقہ کو اختیار کیا. (شرح عقائد ص ٤٢ **تحت قول الماتن : ولا يجرى عليه زمان** )

**تفویض** : سلف صالحین (صحابہ وتابعین نیز تبع تابعین) کا مذہب اللہ تعالیٰ کی صفات اور متشابہ الفاظ میں تفویض ہے، استواء علی العرش، اللہ تعالیٰ کیلئے وجہ، ید، ساق، اصابع وغیرہ کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے، اسکے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان پر ایمان لائیں گے، کیفیت کا سوال نہیں کریں گے اور مخلوقات کے ساتھ مشابہت سے اللہ تعالیٰ کو منزہ اور پاک سمجھیں گے، جیسا کہ امام مالک وغیرہ سے پہلے ترمذی اور نووی کے کلام میں مذکور ہو چکا.

**تاویل** : بعد میں جب گمراہ فرقے آئے، ان میں سے بعض نے سِرے سے ایسی آیات اور احادیث کا انکار کردیا جو انکے عقل میں نہیں آئیں، بعض نے اللہ تعالی کو مخلوقات کے مشابہ مان لیا، جہمیہ، معتزلہ، معطّلہ، مشبّہ فرقے پیدا ہوئے تو پھر متکلمین اور بعض ائمہ ) حدیث نے تاویل صحیح اختیار کی تاکہ مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا جائے.

یہ دونوں مذہب حق ہیں، پہلا اَسلم دوسرا اَحکم کہلاتا ہے. (شرح عقائد ص۴۲)

# علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم اور سلفیین کا مذہب

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہ مفتی جامعہ مدنیہ لاہور پاکستان اپنی تصنیف (صفات متشابہات اور سلفی عقائد) میں لکھتے ہیں : سلفیوں کا عقیدہ ہے کہ جیسے انسان کے اعضاء اور جوارح ہیں اسی طرح اللہ تعالی کے بھی حقیقی ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، کان اور چہرہ ہیں، اللہ تعالی کے یہ اعضاء ہمیشہ ہمیش سے ہیں، اللہ تعالی اپنے ہاتھوں سے عمل کرتے ہیں، اپنے کان سے سنتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، البتہ ان اعضاء کی کیفیت یعنی شکل وصورت نامعلوم ہے، سلفی حضرات ان اعضاء کو اعضاء نہیں کہتے صفات ذاتیہ کہتے ہیں.

علامہ عثیمین نے عقیدہ واسطیہ کی شرح میں لکھا ہے: اللہ تعالی کی صفات ذاتیہ جن کے ساتھ اللہ تعالی ہمیشہ سے متصف ہیں اور رہیں گے دو قسموں پر ہیں: معنویہ اور خبریہ :

معنویہ جیسے حیات، علم، قدرت، حکمت وغیرہ، یہ بطور مثال ہیں، حصر مقصود نہیں.

خبریہ جیسے یدین، وجہ ور عینین وغیرہ جو انسان کے اندر ابعاض اور اجزاء کہلاتے ہیں.

اللہ تعالے کے پاس ہمیشہ سے دو ہاتھ، ایک چہرہ، دو آنکھیں موجود ہیں، ایسا نہیں کہ پہلے نہیں تھے پھر یہ چیزیں پیدا ہوئیں، اور یہ ہمیشہ رہیں گی، کبھی جدا نہیں ہونگی. (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۳۵)

علامہ ابن القیم نے اپنے قصیدہ نونیہ میں یہ شعر کہا ؎



**يتقدس الرحمن جل جلاله    عنها و عن أعضاء جثمان**

اس کی شرح میں شیخ عثیمین یہ لکھتے ہیں :

**عن أعضاء ذی جثمان** ، یہ لفظ وجہ، ید، عین، قدم اور ساق سب کو شامل ہے، یہ سب جسم والے کے اعضاء ہیں، تو کیا اللہ تعالے ان سے پاک ہیں؟ اگر مصنف کا ظاہر لفظ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ان سے منزہ ہیں، لیکن ہم کو مصنف کا حال معلوم اور روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ وہ چہرہ، ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور پنڈلی کی صفات کا اللہ تعالی کیلئے اثبات کرتے ہیں لہذا انکی بات کا حاصل یہ ہے کہ وہ صفات کی نفی نہیں کرتے بلکہ اعضاء کے ان خصائص کی نفی کرتے ہیں جو انسان میں پائی جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ انسان کے جسم سے جدا ہوسکتے ہیں، تو کیا یہ اعضاء اللہ تعالی سے جدا ہوسکتے ہیں؟ کبھی نہیں، ہرگز نہیں، اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے ہاتھ کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکا بعض ہے، کیونکہ بعض کل سے الگ ہوسکتا ہے اور یہ اللہ تعالی کے بارے میں محال ہے، اسی لئے ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس عبارت میں جو انکی کتاب (عقیدۂ تدمریہ) میں ہے دقت نظر پاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی صفات میں بعض وہ ہیں جو معنی ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا مصداق بنسبت اللہ تعالی کے اعضاء ہیں [1] جیسے ہاتھ کہ اسکا مصداق ہمارے لحاظ سے ایک عضو ہے اعضاء میں سے، لیکن اللہ تعالی کی بنسبت اسکو اعضاء میں سے ایک عضو نہیں کہیں گے، حاشا وکلا، نہ بعض کہیں گے نہ جز کہیں گے، بس صرف اتنا کہیں گے یہ صفات ہیں جو اللہ تعالی کیلئے ثابت ہیں، حقیقت کے لحاظ سے، ہمارے لحاظ سے تو بعض جزء اور عضو ہیں، لیکن اللہ تعالی کے بارے میں یہ الفاظ نہیں بولے جائیں گے .

**(شرح القصيدة النونيه للعُثيمين ج۱ ص۳۴۵)**

شیخ عثیمین شرح عقیدۂ واسطیہ میں لکھتے ہیں: (عبارت کا ترجمہ یہ ہے): قرآن کریم کے الفاظ میں اللہ تعالی کیلئے دو ہاتھوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالی کام کرتے ہیں جیسا کہ

---

[1] عربی عبارت یہ ہے : **و ما مسمّاه أعضاء بالنسبة اليه مثل اليد . اھ**

یہاں خلقتُ بیَدیّ میں تخلیق کے عمل کا ذکر ہے، انہی دونوں ہاتھوں سے اللہ تعالی قیامت کے ان تمام زمینوں کو مٹھی میں لے لیں گے، انہی ہاتھوں سے صدقہ کو لیتے ہیں اور اسکو بڑھاتے ہیں جیسے انسان اپنے گھوڑے کے بچہ کو پال کر بڑھاتا ہے .

علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی اور جنت عدن کے درخت اپنے ہاتھ سے لگائے، کل یہ تین چیزیں ہیں جو اللہ تعالی کے ہاتھوں سے وجود میں آئیں. (شرح عقیدۂ واسطیہ ص ۱۵۸)

خلیل ہراس شرح عقیدۂ واسطیہ میں لکھتے ہیں: دونوں ہاتھوں سے اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، یہاں ہاتھوں سے مراد قدرت نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالی نے ساری چیزیں حتی کہ ابلیس کو بھی اپنی قدرت سے پیدا کیا تو آدم کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہے گی. (شرح عقیدۂ واسطیہ لخلیل ہراس ص۶۱)

ہاتھ سے قدرت یا نعمت کا معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اللہ تعالی کیلئے ہتھیلی، انگلیاں، داہنا، بایاں، پکڑنا، پھیلانا وغیرہ بھی ثابت ہے جو حقیقی ہاتھ ہی کیلئے ہوسکتا ہے. (ایضا ص۶۲)

شیخ عثیمین لکھتے ہیں: اللہ تعالی کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، اس پر اہل سنت (سلفیوں) کا اتفاق ہے. (شرح القصیدہ النونیہ ۳۲۵/۴)

نیز لکھتے ہیں: آنکھ ہمارے چہرہ کا ایک حصہ ہے اور چہرہ جسم کا، لیکن اللہ تعالی کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ اللہ تعالی کا حصہ ہے، کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ قرآن وحدیث میں اس طرح کی بات نہیں آئی ہے.

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ خالق تعالی میں تجزّی ہو، اس کے حصے ہوسکیں اور بعض اور جزء وہ ہوتا ہے جس کے بغیر کل کا بقاء ممکن ہو اور وہ مفقود بھی ہوجاتا ہو جبکہ اللہ تعالی کی صفات کبھی مفقود نہیں ہوسکتیں بلکہ ہمیشہ باقی رہتی ہیں، صحیح حدیث میں آنحضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالے کی صرف دو آنکھیں ہیں. (شرح العقیدۃ الواسطیہ ص۱۶۹)



نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالی کیلئے حقیقی چہرہ ہے اور اس کو ہم ویبقٰی وجهُ ربّک سے لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ چہرہ مخلوقات کے چہرہ کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: لیس کمثله شیء ، ہم اس چہرہ کی کیفیت نہیں جانتے . (شرح عقیدۂ واسطیہ ص۱۵۳)

## خلاصۂ کلام :

ابن تیمیہ اور ابن القیم اور انکے متبعین سلفی حضرات ' اللہ تعالی کی صفات کے بارے میں جمہور اہل سنت والجماعت سے اختلاف رکھتے ہیں، اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ سے بھی، اور ان کو معطّلہ سے تعبیر کرتے ہیں، اپنے مخالفین کو گمراہ اور مشرک تک کہہ دیتے ہیں اور سب کو اپنے عقیدہ کی طرف جسکو وہ صحیح کہتے ہیں دعوت دیتے ہیں اور ہر جگہ اس بحث کو چھیڑتے ہیں.

اسلئے ہمارے علماء نے ان کی تردید کیلئے کتابیں لکھیں، ہمارے سامنے ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ لاہور پاکستان کی کتاب (صفات متشابھات اور سلفی عقائد) ہے، اور شیخ سیف الدین بن علی العصری کی (القول التمام باثبات التفویض مذهباً للسلف الكرام) عربی میں ہے جس پر بہت سے علماء کی تقریظات ہیں.

اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ ابن تیمیہؒ کا مذہب سلف کے خلاف ہے، سلف شروع ہی سے تفویض کے قائل ہیں جیسا کہ ترمذی اور نووی کے کلام سے معلوم ہوا .

## شیخ عثیمین اور شیخ خلیل کی باتوں کا جواب :

یہ لوگ چہرہ سے حقیقی چہرہ مراد لیتے ہیں اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ وہ مخلوق کے چہرہ کی طرح نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالی کی ذات مراد نہیں ہوسکتی جیسا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ مراد لیتے ہیں کیونکہ جب تک اصلی موضوع لہ معنی موصوف میں موجود نہ ہو اس کا کوئی لازمی معنی مراد نہیں ہوسکتا، اس کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوگا، خلیل ہراس نے یہ دلیل دی ہے .

**جواب** : اس کا جواب یہ ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اللہ تعالی کے لئے چہرے کو عضو ذات نہیں بلکہ صفت ذاتی کے طور پر مانتے ہیں جو ہمیشہ ہمیش اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ ہے، کبھی جدا نہیں ہوتی، ایسی صورت میں اللہ تعالی کی صفت ذاتی کے لئے وضع ہونے والے لفظ کو ذات الہی کیلئے استعمال کر رہے ہیں، ذہن ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہو رہا ہے.

اللہ تعالی کی صفات دائمی ہیں، اسلئے وجہ کے معنی کو اللہ تعالی کے حوالہ کریں تو بھی صفت وجہ کی بقاء کو موصوف یعنی اللہ تعالی کی ذات کا بقاء لازم ہے. (صفات متشابهات ص ۷۹ تا ۹۲)

**تنبیہ**: یہ بات قابل غور ہے کہ **ویبقٰی وجہُ ربّک** اور **کلُّ شیءٍ ھالکٌ الّا وجھَہ** میں اصل مقصود کس چیز کی بقاء ہے، ذات کی یا چہرہ کی؟ ظاہر ہے اصل ذات کی بقاء ہے، کیونکہ صرف چہرہ کی بقاء سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور ذات کی بقاء چہرہ کی بقاء کو متضمن ہے، اسلئے وجہ سے ذات مراد لینا اولی ہے اور اس میں بلاغت بھی ہے. (ایضا ۹۲)

## دونوں پاؤں :

سلفی لوگ اللہ تعالی کیلئے دو قدم بھی حقیقی مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کرسی اللہ تعالی کے دونوں قدم کی جگہ ہے، وہ عرش نہیں ہے، عرش کرسی سے بڑا ہے، روایت میں آیا ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے ایک حلقہ زمین کے میدان میں رکھ دیا جائے اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسے میدان کی فضیلت اس حلقہ پر. (شرح عقیدۂ واسطیہ للعثیمین ص ۹۸)

نیز شیخ عثیمین لکھتے ہیں: ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی مخلوق سے الگ ہیں .....اور عرش کے اوپر مستوی ہیں اور کرسی دونوں قدم کی جگہ ہے. (شرح قصیدہ نونیہ ۱/۳۰۵)

ہمارا **جواب** :جب صفات ذاتیہ خبریہ سے سلفیوں کے نزدیک ان کے حقیقی معنی مراد ہیں تو یہ صفات نہ ہونگی بلکہ ذات کے اجزاء وابعاض ہوں گے اور جب اللہ تعالی کی ذات متعدد مختلف حصوں پر مشتمل ہوئی تو اس سے لازم آیا کہ اللہ تعالی کی ذات مخلوق کی طرح مرکب ہوا اور مرکب قابل تقسیم ہوتا ہے اگرچہ صرف عقلاً ہو. (صفات متشابهات ص ۹۵)



استواء علی العرش کو یہ سلفی حضرات صفتِ فعلی کہتے ہیں اسلئے کہ اس کا تعلق اللہ تعالی کی مشیت سے ہے اور جس کا تعلق اللہ تعالی کی مشیت سے ہو وہ صفت فعلی ہے، ان کی یہ اصطلاح ہے.

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس پر ابھی چار انگل کی جگہ باقی ہے، اس کے بوجھ سے عرش چر چرا رہا ہے، جو جگہ عرش پر خالی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کو اس جگہ پر بیٹھائیں گے.

بعض روایتوں میں حضرت عمر اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے قعود اور جلوس کا لفظ آیا ہے اس کی وجہ سے اس کے قائل ہیں.

دوسرا قول ان لوگوں کا یہ ہے کہ عرش پر کوئی جگہ خالی نہیں ہے، اللہ تعالے عرش اور غیر عرش سے بڑے ہیں، ابن تیمیہ اور عثیمین نے اس کو ترجیح دی ہے.

محمود دشتی اپنی کتاب اثبات الحد للہ میں لکھتے ہیں : **ثم بذاته علی العرش بالحد استوی**، پھر اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ عرش پر حد کے ساتھ مستوی ہوا، اسی کو یہ لوگ علو ذات بھی کہتے ہیں. (دیکھئے صفات متشابهات ص ۱۰۹ تا ۱۲۸)

**تنبیہ** : ان لوگوں کا عقیدہ مجسّمہ اور مشبہہ کے بہت قریب ہے صرف یہ کہتے ہیں کہ **لیس کمثلہ شیء**، اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں، تمام الفاظ کا حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، صرف کیفیت کو اللہ تعالی کے حوالہ کرتے ہیں، جب کہ جمہور اہل سنت والجماعت صحابہ اور تابعین وغیرہ وجہ، ید، نزول، استواءٔ ان سب میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور انکے معنی کو اللہ تعالی کے حوالہ کرتے ہیں، یہی حقیقت میں تفویض ہے.

موجودہ زمانے میں سلفی اور اہل حدیث کے نام سے کچھ گروہ سامنے آئے ہیں، یہ اسلاف یعنی صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی نسبت سے اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں، سلفی زیادہ تر سعودی عرب اور کچھ ملحقہ ریاستوں میں ہیں، اہل حدیث (یعنی غیر مقلد) برصغیر میں ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے اور یہ کہ وہ خود حدیث پر عمل کرتے ہیں.

ہمارا خیال تھا کہ سلفی حضرات امام احمدؒ کی تقلید کرتے ہوں گے اور بعض جزوی باتوں میں آٹھویں صدی ہجری کے ایک حنبلی عالم ابن تیمیہؒ سے متاثر ہوں گے ، لیکن جب انکے بارے میں تحقیق کی تو یہ بات سامنے آئی کہ سلفی حضرات امت کی ایک عظیم اکثریت کو جو کہ اشاعرہ و ماتریدیہ ہیں اہل سنت اور اہل حق نہیں سمجھتے ، انکو بدعتی قرار دیتے ہیں بلکہ بعض تو انکو کافر قرار دیتے ہیں ، یہ بڑی خوفناک بات ہے جسکے نتائج بھی ہولناک ہیں ، مثلاً :

(۱)۔ اہل سنت حنفی ، مالکی ، شافعی ، اور حنبلی ایک دوسرے کو اور اسی طرح ماتریدیہ اور اشاعرہ ایک دوسرے کو اہل سنت اور اہل حق شمار کرتے ہیں ، اسلئے کوئی حنفی کسی شافعی کو یا کوئی ماتریدی کسی اشعری کو اپنے مسلک کی طرف منتقل ہونے کی دعوت نہیں دیتا ، یہ کافروں اور فاسقوں کو دین کی دعوت دیتے ہیں ، اپنے مسلک کی نہیں ، اسکے برعکس سلفی اور اہل حدیث دوسرے عام مسلمانوں کو بدعتی ، گمراہ فاسق بلکہ کافر و مشرک سمجھ کر اپنے مسلک کی دعوت دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنے مسلک پر لا کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے .

(۲)۔ امام مالکؒ کے زمانے میں عباسی خلیفہ منصور نے ان سے کہا کہ آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم آپ کی ان تصنیف کردہ کتابوں کو پوری اسلامی سلطنت میں نافذ کردیں ، امام مالکؒ نے منع کیا اور فرمایا کہ مختلف علاقوں کے لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور دین کی باتیں سیکھیں ، پھر واپس جا کر جیسے سیکھا تھا ویسے ہی اپنے علاقوں میں سکھایا اور لوگ اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں (یعنی وہ ایک سنت اور حدیث پر عمل کر رہے ہیں ، اس سنت سے ہٹا کر لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ دوسری سنت پر عمل کریں ' صحیح نہیں ) ، لہذا لوگوں کو ایسے ہی رہنے دیں .

اس بات کو شاہ ولی اللہؒ نے ذکر کیا ہے: **ولمّا حجّ المنصور قال لِمالک قد عزمت أن آمُرَ بكُتبِك هذه التّي صنّفتَها فتُنسخ ثم أبعث في كلِّ مصرٍ من أمصارِ المُسلمين منها نسخةً و آمرهم أن يعمَلوا بما فيها و لا يتعدّوا الى غيره ، فقال يا اميرَ المؤمنين : لا تفعل هذا ، فانّ الناس قد سبقت اليهم أقاويلُ و سمعوا**



**أحاديثَ و روَوا روايات و أخَذ كلُّ قوم بما سبق اليهم و أتَوا به من اختلاف الناس فدَعْ الناس وما اختار أهلُ كلِّ بلدٍ منهم لأنفسهم . (حجة الله البالغة ۱/ ۱٤٥)**

امام مالکؒ نے جس بات کو بدعت سمجھا اور اسے درست نہیں سمجھا ، سلفی اور اہل حدیث اس بدعت کو اختیار کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں .

(۳)۔ امت کے سینکڑوں برس کے اساطین علم و تقوی کو سلفی اور اہل حدیث گمراہ اور مشرک شمار کرتے ہیں .

(۴)۔ ان مذکورہ باتوں کی وجہ سے یہ حضرات امت میں انتشار اور توڑ کا باعث بنتے ہیں .

سلفیوں میں سے علامہ خلیل ہراس ، علامہ عثیمین اور محمود دمشقی کی کتابیں دیکھنے کا موقع ملا تو اصل صورتحال سامنے آئی ، اللہ تعالی کی جو صفات قرآن پاک اور حدیث میں مذکور ہیں ان میں سے وہ صفات جن کا ظاہری مطلب لینا درست نہیں ہے جیسے ید (ہاتھ) ، وجہ (چہرہ) ، عین (آنکھ) اور ساق (پنڈلی) اور جیسے غضب ، رضا اور استواعلی العرش وغیرہ انکو اشاعرہ و ماتریدیہ (یعنی عام اہل سنت جو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں) صفات متشابھات کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی کی صفات ہیں انکی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ، بس اتنا جانتے ہیں کہ ان سے وہ مراد ہے جو اللہ کی شایان شان ہے ، سلفی کہتے ہیں کہ ان صفات کی حقیقت ہمیں معلوم ہے ، مثلاً اللہ کے ید (ہاتھ) کی حقیقت وہ ہے جو انسانوں میں ہاتھ کی ہوتی ہے یعنی آلہ جارحہ کی ، اور عین (آنکھ) کی حقیقت وہ ہے جو انسانوں میں آنکھ کی ہوتی ہے یعنی دیکھنے کے آلہ کی ، وغیرہ ، البتہ ان کی کیفیت یعنی شکل و صورت کا ہمیں علم نہیں .

غرض اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا صفات متشابہ صفات ہیں جن کے بارے میں ہمیں صرف اتنا علم ہے کہ وہ اللہ تعالی کی شایان شان صفات ہیں اور انکے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں ، جبکہ سلفی ید (ہاتھ) ، قدم (پاؤں) ، عین (آنکھ) وغیرہ کو صفات ذاتیہ خبریہ کہتے

ہیں اور انکو ظاہری معنی میں لیکر اللہ تعالی کی ذات کے حصے مانتے ہیں ، اگر چہ انکو اجزاء وابعاض کا نام نہیں دیتے اور ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ انکی کیفیت یعنی بناوٹ اور شکل وصورت مخلوق کی سی نہیں ہے ،غرض سلفی ان صفات کا مطلب جاننے کے دعویدار ہیں ،صرف کیفیت یعنی شکل و صورت کو غیر معلوم اور مجہول جانتے ہیں ، ایسے ہی وہ غضب ، رضا اور استوا علی العرش کے بارے میں کہتے ہیں ، جن کو وہ صفات فعلیہ کا نام دیتے ہیں ۔ (صفات متشابہات ص ۷ تا ۱۰)

سلفی ابن قدامہ مقدسی کو اپنا بڑا مانتے ہیں ، بعضوں نے تو یہ دعوی کیا کہ ابن قدامہ نے اشاعرہ اور ماتریدیہ کی تکفیر کی ہے ، مفتی عبد الواحد صاحب ابن قدامہ کی کتاب سے عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں: اس عبارت سے دو باتیں صاف واضح ہیں:

۱۔ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ کا وہی مسلک ہے جو اشاعرہ و ماتریدیہ کا ہے یا کم از کم انکے متقدمین کا ہے ، یعنی صفات متشابہات کو مانتے ہوئے ان کا معنی اللہ کو تفویض کرنا اور اس پر چھوڑنا ۔

۲۔ سلفی تفویض کے قائل نہیں اور وہ تفویض کو تعطیل کہتے ہیں جب کہ جمہور کے نزدیک تعطیل سے مراد اللہ تعالی سے ان کی صفت کی نفی کرنا ہے ، اشاعرہ و ماتریدیہ صفات متشابہات کی نفی نہیں کرتے اور ان کو صفات مانتے ہیں البتہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہری مطلب مراد نہیں ہوسکتا ، پھر کیا مراد ہے؟ مراد کو وہ اللہ پر چھوڑتے ہیں ، سلفی ان صفات کا ظاہری معنی ہی متعین کرتے ہیں ، اشاعرہ و ماتریدیہ چونکہ ان کا ظاہری مطلب اللہ کی شایان شان نہیں سمجھتے اسلئے وہ ان کا ظاہری مطلب نہیں لیتے ، سلفی صفت کو ظاہری معنی میں نہ لینے کو صفت کی تعطیل یعنی نفی سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ سلفیوں کی زیادتی ہے ۔ (صفات متشابہات ص ۱۳ و ۱۴)

ہم کہتے ہیں: اللہ تعالی کی صفات دو قسم کی ہیں:

۱۔ ایک وہ صفات جنکا ظاہری معنی اللہ تعالی کی شان سے بعید ہے ، یہ متشابہات صفات کہلاتی ہیں مثلاً ید (ہاتھ) ، وجہ (چہرہ) ، قدم ، (پاؤں) اور رحمت (دل کا نرم پڑنا اور پسیجنا) اور غضب (دل کا ابال) اور استواء علی العرش (اللہ تعالی کا عرش پر قرار پکڑنا یا بلند ہونا) اور آسمان دنیا پر نزول ۔



۲۔ دوسری وہ صفات ہیں جن کا ظاہری معنی اللہ تعالی کی شان سے بعید نہیں ہے یعنی اللہ تعالی کی بنیادی ذاتی صفات مثلاً علم ، حیات ، قدرت ، سمع ، بصر ، کلام ، اور ارادہ ، ان میں صفات فعلیہ بھی شامل ہیں مثلاً پیدا کرنا ، رزق دینا ، عزت دینا ، ذلت دینا ، حیات دینا ، موت دینا وغیرہ ۔

سلفی حضرات دونوں قسم کی صفات کا اللہ تعالی کیلئے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں ، البتہ متشابہ صفات میں تشبیہ وتمثیل کی نفی کرتے ہیں اور اس کیلئے **لیس کمثله شیء** کو دلیل بتاتے ہیں ، غرض ید ، وجہ ، قدم سے وہ اعضاء ذات مراد لیتے ہیں ، غضب سے دل میں خون کے جوش مارنے کو مراد لیتے ہیں اور نزول سے اللہ تعالی کی ذات کے عرش سے آسمان دنیا پر اترنے کو کہتے ہیں ۔

اشاعرہ و ماتریدیہ دونوں صفات کی تفسیر میں فرق کرتے ہیں ، غیر متشابہ صفات کا ظاہری مطلب مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ مطلب لینے میں کوئی محال اور فساد لازم نہیں آتا اور تشبیہ سے بچنے کیلئے کہتے ہیں کہ **له علم لا کعلمنا ، له حیاة لا کحیاتنا** ، یعنی اللہ کا علم ہے ، ہمارے علم کی طرح نہیں ، اور اللہ کی حیات ہے ، ہماری حیات کی طرح نہیں ، غیر متشابہ صفات کے برعکس متشابہ صفات کا ظاہری مطلب لینے میں ان کو فساد نظر آتا ہے ، جس کو ہم پیچھے تفصیل سے بیان کر آئے ہیں ، یہاں ہم دو مثالوں کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں ۔

(۱)۔ ید سے جب ظاہری معنی مراد ہو تو وہ ذات کا جزو عضو بنتا ہے جس سے سلفیوں کے بقول اللہ تعالی نے کچھ کام بھی کئے ہیں ، مثلاً اللہ نے اپنے ہاتھ سے تورات لکھی اور جنت عدن کے درخت لگائے اور وہ اپنے ہاتھ سے صدقہ پکڑتے ہیں ، اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی کیلئے اعضاء ہوں اور یوں اللہ تعالی کی ذات قابل تقسیم ہو ، خواہ وہ عقلاً ہی ہو اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ کا جسم ہو ، اللہ کی آنکھ اور کان سے بھی ظاہری معنی مراد ہوں تو وہ اعضاء ذات ہیں جن سے اللہ دیکھتے اور سنتے ہیں ، اس طرح اللہ ان اعضاء کے محتاج ہوئے ۔

(۲)۔ غضب کا ظاہری معنی دل میں خون کا جوش مارنا ہے اور یہ ایک باطنی اور نفسی کیفیت ہے ، اللہ تعالی کی ذات کی حقیقت کا ہمیں کچھ علم نہیں ہے تو ہم کس کو اللہ کا باطن اور کس کو اللہ کا ظاہر کہیں

، اور کس کو اسکا نفس اور نفسی کہیں، لہذا ہم اللہ تعالی میں غضب کی صفت کو مانتے ہیں لیکن اسکے مذکورہ بالا ظاہری معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے، اور یہی بات اسکے متشابہ صفت ہونے کی بنیاد ہے.

غرض صفات متشابہات میں اشاعرہ وماتریدیہ تفویض یا تاویل کرتے ہیں جب کہ غیر متشابہ صفات میں ظاہری وحقیقی معنی مراد لیتے ہیں .

ہماری اس بات پر ابن تیمیہؒ کے رسالہ تدمریہ میں مذکور یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر غضب ایک باطنی نفسی کیفیت ہے تو ارادہ بھی ایسی باطنی نفسی کیفیت ہے جسکا مطلب ہے جلب منفعت یا دفع مضرت کی طرف نفس کا میلان، ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جب تم ارادہ کی نفسی کیفیت (یعنی نفس کے میلان ) کو اللہ کے لئے مانتے ہو تو غضب کی نفسی کیفیت کو اللہ کے لئے ماننے میں کیا رکاوٹ ہے ؟

اس کا **جواب** : یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی میں ارادے کا معنی میلان نفس نہیں کرتے بلکہ ہم اس کو اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قائم ازلی صفت مانتے ہیں جو مکونات کے وجود یا عدم کا تقاضا کرتی ہے اور مکونات کے ایک خاص کیفیت کے ساتھ متصف ہونے کا تقاضا بھی کرتی ہے .

یہاں ہم عقیدہ طحاویہ کے شارح ابن ابی العز کی جانب سے دئے گئے ایک جواب کو نقل کرتے ہیں، وہ یہ ہے : **فيقال له : غليان دم القلب في الآدمي أمر ينشأ عن صفة الغضب لا أنه هو الغضب .** (شرح الفقه الأكبر ص ۷۱)

(ترجمہ: اس پر یہ کہا جائیگا کہ آدمی کے دل میں خون کا جوش مارنا ایسی کیفیت ہے جو خود غضب نہیں ہے بلکہ صفت غضب کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ).

**ہم کہتے ہیں:** یہ بات ہمارے مخالف نہیں ہے کیونکہ غضب سے جب مراد ہو خون کا جوش مارنا یا کوئی اور نفسی کیفیت، تو اس معنی کو ہم اللہ تعالی کے شایان شان نہیں مانتے، اور اگر اس سے ایسی صفت مراد لی جائے جسکی وجہ سے دل میں خون جوش مارتا ہو یعنی جو اس نفسی کیفیت کا سبب بنتی ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم اللہ تعالی میں ایسی صفت مانیں تو کیا اسکی وجہ سے اللہ تعالی



میں کوئی نفسی کیفیت پیدا ہوتی ہے یا نہیں، اگر پیدا ہوتی ہے تو اس میں اور سابقہ معنی میں کچھ فرق نہ رہا کیونکہ دونوں صورتوں میں نفسی کیفیت حادث ہوئی اور اگر کہیں کہ کوئی نئی نفسی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو پھر سوال ہوگا کہ غضب سے پہلے کی حالت میں اور غضب کی حالت میں فرق کیسے کیا جائیگا ؟

علاوہ ازیں یہ تو ابن ابی العز کا نکالا ہوا نکتہ ہے ورنہ ابن تیمیہ وغیرہ نے تو یہ بات کہی ہی نہیں. (صفات متشابھات ص ۱۰۶)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا یوسف صلاح الدین اپنے تفسیری حواشی میں لکھتے ہیں :

'' یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لئے زمین پر رکھا جائیگا جس پر اللہ تعالی نزول اجلال فرمائے گا''.

اس عبارت سے یہ مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، کیونکہ اب سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن نبی ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائیں گے تو وہ کونسا عرش ہوگا ؟

پورے عالم کو گھیرنے والے عرش پر یا قیامت کے دن زمین پر رکھے جانے والے عرش پر جو پہلے عرش سے بہت ہی چھوٹا ہوگا، اگر پہلا عرش ہو تو فرشتے جو خود عالم کا حصہ ہیں اور مخلوق ہیں وہ اس کو اٹھا کر کہاں لے جائیں گے، اطراف عالم سے عالم کے اندر اتنی بڑی چیز کو کیسے لے جائیں گے اور اگر دوسرا جو چھوٹا عرش ہے وہ مراد ہو تو اس پر اللہ تعالی کیسے بیٹھیں گے جب بڑے عرش پر پہلے ہی کچھ جگہ نہیں بچتی تو اللہ تعالی اس سے کہیں چھوٹے عرش پر کیسے سمائیں گے، اگر کوئی کہے کہ آسمان دنیا پر جیسے نزول فرماتے ہیں اسی طرح اس چھوٹے عرش پر نزول فرمائیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان دنیا پر نزول کا جو مطلب سلفی لیتے ہیں وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے .

علامہ عثیمینؒ لکھتے ہیں : **انّ أهل السنة استدلوا على علو الله تعالى علواً ذاتياً بالكتاب و السنة و الاجماع و العقل والفطرة .** (شرح العقيدة الواسطيه ص ۲۱۲)

**و أما دلالة الاجماع فقد أجمع السلف رضى الله عنهم على أن الله تعالى بذاته فى السماء من عهد الرسول عليه الصلوة و السلام الى يومنا هذا ـ ان قلتَ**

**کیف أجمعوا ؟ نقول امرارهم هذه الآيات والأحاديث مع تكرار العلو فيها والفوقية و نزول الأشياء و صعودها اليه دون أن يأتوا بما يخالفها اجماع منهم على مدلولها، ولهذا لما قال شيخ الاسلام** رحمه الله **أن السفَ مجمعون على ذالک ، قال : و لم يقل أحد منهم أن اللّٰهَ ليس فى السماء أو أن اللّٰهَ فى الأرض أو أنّ اللّٰهَ لا داخل العالم و لا خارجه و لا متصل و لا منفصل أو أنه لا تجوز الاشارة الحسية اليه .** (شرح العقیدہ الواسطیہ ص۲۱۳ و ۲۱۴)

(ترجمہ: اللہ تعالی کیلئے علوذاتی (بلندی ذات) پر اہل سنت (یعنی سلفیوں) نے کتاب وسنت اور اجماع اور عقل وفطرت سے استدلال کیا ہے: اجماع سے استدلال اس طرح سے ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ سے لیکر آج تک اسلاف کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کی ذات آسمانوں میں ہے، اگر کوئی پوچھے کہ اجماع کی کیا کیفیت ہے؟ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ان آیات اور احادیث کو جیسی وہ ہیں ویسے ہی انکو رکھا ہے حالانکہ ان میں آسمانوں میں بلندی کا، فوقیت کا اور اشیاء کا اللہ کی طرف اوپر چڑھنے اور اللہ کی طرف سے نیچے اترنے کا ذکر تکرار کے ساتھ ہے اور ان کے خلاف ان سے کوئی بات منقول نہیں، اسی لئے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ) رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ کہا کہ سلف اس پر متفق ہیں تو ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ آسمان میں نہیں ہیں یا یہ کہ اللہ زمین میں ہیں یا یہ کہ اللہ نہ کائنات میں داخل ہیں اور نہ اس سے باہر ہیں اور نہ متصل ہیں اور نہ جدا ہیں یا یہ کہ ان کی طرف حسی اشارہ نہیں ہوسکتا).

## ہم کہتے ہیں :

(۱)۔ علامہ عثیمین خود بھی مغالطہ میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مغالطے دیتے ہیں :

علامہ ابن جوزی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ **دفع شبهة التشبيه** میں لکھتے ہیں: **وقد حمل قوم من المتأخرين هذه الصفة على مقتضى الحس ، فقالوا :استوى على العرش بذاته، و هذه زيادة لم ينقلوها ، انّما فهموها من احساسِهم ، وهو أنّ المستوى على**



**الشىء انما يستوِى عليه ذاتُه ، قال ابن حامد : الاستواء مماسة و صفة لذاته و المراد به القعود .** (بحوالہ العقیدہ وعلم الکلام ص۲۳۶)

(ترجمہ: متاخرین حنابلہ میں سے کچھ لوگوں نے محسوسات پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مستوی ہوئے، ذات کے لفظ کا اضافہ کسی حدیث میں نہیں ہے، اور کہنے والوں نے محسوسات پر قیاس کر کے ایسا سمجھا، کیونکہ کسی شیء پر کوئی مستوی ہوتو وہ اسکی ذات ہوتی ہے، ابن حامد نے کہا کہ استواء مماست کو یعنی ایک دوسرے کو چھونے کو کہتے ہیں اور استواء اللہ کی ذات کی صفت ہے اور اس سے مراد بیٹھنا ہے)

**(اثبات الحد للّٰه عز وجل)** کے محشی نے لکھا **:صرح جمع من أهل السنة بلفظة بذاته فى اثبات الاستواء ومنهم عثمان الدارمى (٢٨٠ھ) و محمد بن أبى شيبة (٢٩٧ھ) و ابن زيد القيروانى (٣٨٦ھ) و أبو نصر السجزى (٤٤٤ھ) فى كتاب الابانة ، فانه قال : وائمتنا كالثورى و مالک و الحمادين و ابن عيينه و ابن المبارک و الفضل و أحمد و اسحاق متفقون على أن اللّٰه فوق العرش بذاته و أن علمه بكل مكان و غيرهم كثير من أهل السنة** رحمهم الله . (ص ۹۱)

(ترجمہ: اہل سنت (یعنی سلفیوں) کی ایک جماعت نے استواء کے اثبات میں بذاتہ کے لفظ کی تصریح کی ہے، ان میں عثمان دارمی (۲۸۰ھ)، محمد بن ابی شیبہ (۲۹۷ھ)، ابن زید قیراونی (۳۸۶ھ) اور ابونصر سجزی (۴۴۴ھ) ہیں، ابونصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں کہا کہ ”ہمارے ائمہ یعنی سفیان ثوری، مالک، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ، ابن مبارک، فضیل، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ عرش کے اوپر ہیں اور انکو ہر مکان کا علم ہے اور بہت سے اہل سنت یعنی سلفیوں کا ان سے اختلاف ہے“.

(۲)۔ محشی نے جن حضرات کا نام لیا ہے ان کے درمیان بڑا زمانی فاصلہ ہے اور اس کے صحیح ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ بعد والوں نے محض تقلید کے طور پر پہلے والے کی بات لے لی

اور مذکور محدثین کی طرف نسبت فرضی واختراعی ہے، پہلے والے نے یہ لفظ کہاں سے لیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے محض قیاس سے کام لیا.

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی جو کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رہے ہیں : ۱۔ یحی بن عمار کا قول **بـل نقول هو بذاته على العرش و علمه محيط بكل شيء** یعنی ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی ذات کے ساتھ عرش پر ہیں اور انکے علم نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے ) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **قـولک بـذاته من كيسک** (یعنی بذاتہ کا لفظ یحی بن عمار نے اپنی عقل سے نکالا ہے) . (**أهل السنة الأشاعرة** ص ۵۸)

۲۔ اسماعیل بن محمد تیمی کے حالات میں لکھتے ہیں: **قـلـتُ الـصـواب : الكف عن اطلاق ذلک اذ لـم يـأت فيـه نص ، و لوفرضنا أنّ المعنى صحيح فليس لنا أن نتفوّه بشيء لم يأذن به الله خوفاً من أن يدخل القلب شيء من البدعة .** (ایضا)

(ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ بذاتہ کے لفظ کا استعمال ہی نہ کریں کیونکہ یہ نص میں وارد نہیں ہوا اور اگر ہم فرض کرلیں کہ بذاتہ کا معنی درست ہے تب بھی ہم ایسا لفظ منہ سے نہ نکالیں جسکی اجازت اللہ تعالی نے نہیں دی تا کہ دل میں بدعت داخل نہ ہو ) .

(۳)۔ علو ذاتی کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالی بذاتہ یعنی اپنی ذات کے ساتھ عرش پر ہیں اور اسکے بارے میں جو حوالہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس میں یہ الفاظ اہم ہیں : **و غيرهم كثير من أهـل الـسـنة** ،(یعنی بہت سے سلفی بذاتہ کو ذکر نہیں کرتے ) ، اگر وہ بذاتہ کو دل سے مانتے ہیں، زبان سے نہیں کہتے تو دوسروں کو انکے عقیدے کا علم کیسے ہوگا، اور اگر اعلانیہ نہیں کہتے چھپ کر کہتے ہیں تو یہ تقیہ ہے، اب ایک تیسری شق رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ بذاتہ کی قید کو مانتے ہی نہیں، اس صورت میں خود سلفیوں کا بھی اجماع و اتفاق کہاں رہا جس کا علامہ عثیمین بڑے زور کے ساتھ دعوی کرتے ہیں . (**صفات متشابهات** ص ۱۱۸ تا ۱۲۲)

تفصیل کیلئے دیکھئے ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کی کتاب (صفات متشابہات اور سلفی عقائد) اور شیخ سیف الدین بن علی العصری کی (**الـقـول التمام باثبات التفويض مذهباً للسلف الكرام**)



## مراجع وماٰخذ

صحیح بخاری
صحیح مسلم
ترمذی
فتح الباری
فیض الباری
خصائص کبری للسیوطی
تفسیر ابن کثیر
عمدۃ القاری للعینی
الرحیق المختوم للمبارکپوری
زرقانی علی المواهب طبع الازهریہ ۱۳۲۵ھ
طبقات ابن سعد
البدایہ والنھایہ لابن کثیر
تبیین العجب فی فضل رجب لابن حجر
احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد لدھیانوی
فتاوی محمودیہ (حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)، مکتبہ محمودیہ
امام لاہوریؒ کے رسائل، مکتبہ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
فتاوی رشیدیہ مع تالیفات رشیدیہ
اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ میمن
اصلاحی تقریریں، مفتی محمد رفیع عثمانی، مکتبہ بیت العلم
فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل، دارالاشاعت کراچی

فتاوی رحیمیہ،(مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ) مکتبہ دارالاشاعت کراچی
فتاوی دینیہ (مفتی اسماعیل کچھولوی) مکتبہ جامعہ حسینیہ راندیر سورت گجرات
غنیۃ الطالبین اردو،طبع اعتقاد دہلی
تقریر بخاری،علامہ شبیر احمد عثمانیؒ،طبع ڈابھیل
موضوعات کبری،ملاعلی قاری
آثار مرفوعہ،مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی ،مجموعہ سبع رسائل
امداد الفتاوی،حضرت تھانویؒ
التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف،حضرت تھانویؒ
معراج کی باتیں،مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ
معارف القرآن،مفتی محمد شفیع
سنن نسائی،صغری
فتح الملہم بشرح صحیح مسلم (علامہ عثمانی)،طبع جدید دارالعلوم کراچی
الاصابۃ فی تمییز الصحابہ لابن حجر
ردالمحتار مع الدرالمختار،مکتبہ نعمانیہ دیوبند
بذل المجھود فی شرح ابی داود
مقدمہ اعلاء السنن،مولانا ظفر احمد عثمانی،طبع ادارۃ القرآن کراچی
تذکرۃ الحفاظ للذہبی
المآثر سہ ماہی مجلّہ،مرقاۃ العلوم مئوناتھ بھنجن یوپی انڈیا
مشکوۃ المصابیح
سیرت المصطفی ﷺ،مولانا محمد ادریس کاندھویؒ
صفات متشابہات اور سلفی عقائد مفتی عبدالواحد صاحب جامعہ مدنیہ لاہور



## مصنف مدظلہ ایک نظر میں

**ولادت و تعلیم**: ولادت ۱۴رصفر ۱۳۶۶ھ ۷رجنوری ۱۹۴۷ء کو مئوناتھ بھنجن یوپی.
فراغت از درسیات ۱۳۸۶ھ ، بعد فراغت تفسیر و حدیث فقہ وغیرہ کی تکمیل جامعہ مفتاح العلوم مئو میں ، وقراءاتِ سبعہ عشرہ دارالعلوم مئو میں بخدمت حضرت قاری محمد مطفی اعظمیؒ وقاری ریاست علی صاحبؒ .

**اساتذہ** :محدثِ کبیر علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ،حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ،حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ اور آپکے والدِ محترم قاری حفیظ الرحمٰن اعظمیؒ معروف ہیں،آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالرشید حسینیؒ نے اپنی ذاتی کتاب ''تحفۃ الاحوذی'' آپ کو ہدیہ کردی جس میں اپنے ہاتھ سے مختلف حواشی لکھے تھے .

**خدمات**: تدریس ابتدائی کتب اردو فارسی در مفتاح العلوم (دوسال)،مظہر العلوم بنارس (مع فتاوی نویسی) (۴ سال) ، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل مع تدریس قراءات سبعہ عشرہ (۱۲ سال) ، دارالعلوم آزادول میں تدریس (۱۴۰۶ھ) وشیخ الحدیث (۱۴۰۸ھ تاحال)

**دیگر خدمات** : تاسیس وسرپرستی دارالعلوم نعمانیہ چیتس وتھ ناٹال (۲۰۰۱ء)،مدرسہ دعوۃ الحق آزادول للبنین والبنات (۲۰۰۲ء)، مدرسہ رحمانیہ لوڈیم وغیرہ ملک وبیرون ملک میں کئی مدارس واداروں کی سرپرستی ، دعوت وتبلیغ میں شرکت وشرکت کی تاکید مع اسفار کثیرہ (ہند،ترکی ، برطانیہ وغیرہ).
اصلاحی تعلق مع شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ بعدہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ ، پھر حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کراچی سے تعلق وخلافت ، کثیر تعداد میں مریدین وخلفاء.

**تصانیف** :آپکی چند تصانیف ورسائل ۱۔تاریخِ جامعہ ڈابھیل گجرات ہند ۲۔مقدمۂ بخاری ۳۔مقدمۂ ترمذی ۴۔مقدمۂ طحاوی ۵۔قومہ جلسہ میں اطمینان کا وجوب اوراذکار کا ثبوت ۶۔شبِ براءت کی حقیقت ۷۔عمامہ ٹوپی کرتا ۸۔صحیح اور مناسب تر مسافتِ قصر ۹۔۱۱۔سوانح امام ابوحنیفہؒ و سوانح امام ابویوسفؒ وسوانح امام محمدؒ ۱۲ و۱۳۔مقالات اعظمی اردو،عربی ۱۴۔مقدمہ علم القراءات وتذکرہ ائمہ عشرہ اورانکے رُوات ۱۵۔تذکرہ امام مسلمؒ ۱۶۔مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وجماعت تبلیغ ۱۷۔معدل الصلوۃ.

**ایک بشارت** : ایک مرتبہ شیخ زہیر ناصر الناصر حلبی حنفی مقیم مدینہ منورہ اوران کے رفقاء کو مسجد نبوی کے اندر قدمین شریفین کی جانب حدیث کا درس دے رہے تھے،شیخ کے صاحبزادہ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری مسجد میں حدیث کا درس ہورہا ہے اور آپ سورہے ہیں؟ وہ بیدار ہوکر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپکا درس جاری ہے....الی آخر القصہ. (تفصیل کیلئے سوانح ملاحظہ ہو) (عتیق)